ہم اہلِ اعتبار

زینب نصر خان

ناول | زینب نصر خان

ہم اہل اعتبار

پاکستان کے خوبصورت شہروں کی ایک طویل فہرست ہے۔ جس میں اگرچہ نادرن ایریاز قابل ذکر ہیں مگر پنجاب کے کچھ ایسے شہر بھی ہیں جہاں آج بھی اپنی ثقافت، تہذیب اور رسم و رواج نے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ یہ تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج بعض اوقات اس قدر دلفریب اور دل موہ لینے والے بن جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ جبکہ بعض اوقات ان سے زیادہ ہولناک کچھ اور لگتا ہی نہیں۔ سیالکوٹ سے لاہور موٹروے پر گاڑیوں کا ایک ہجوم تھا۔ شہر سے جانے والے اپنی قطار میں کھڑے تھے جبکہ آنے والے سست رفتار سے چلتے شہرِ خانہ میں داخل ہو رہے تھے۔ ان گاڑیوں کی قطاروں میں ایک گاڑی اسکی بھی تھی، جو ہنگامی بلاوے پر اپنا مڈ ٹرم کا پرچہ چھوڑ کر آئی تھی۔

گاڑی اپنا بقیہ سفر طے کرتی ایک خوبصورت گھر کے سامنے آرکی۔ گاؤں کے حوالے سے مشہور کردہ قول اکثر اسے اپنے گاؤں کی دہلیز پار کرتے یاد آتا۔ اکثر اوقات خواتین لکھاری یا

کوئی شہری یہی سوچتا ہے کہ گاؤں جانے کا راستہ کچی پگڈنڈیوں سے ہو کر گزرتا ہے جبکہ ایسا بالکل نہ تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ شہر کی خراب سڑکوں کو طے کرتی جب وہ گاؤں کی پکی اور مضبوط سڑک پر آتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے کسی جنت میں آ گئی ہو۔ پکے راستوں سے گزرتے اسکے ذہن میں جو خیال ایک دم آیا، اس پر لاحول پڑھتے اسکی نفی کرتی، جھلاتی وہ گھر کے اندر داخل ہوئی۔

مگر کہتے ہیں نا شیطان کا نام لو اور شیطان حاضر! جی بالکل صحیح سمجھے۔ ایک عدد ابا اور ایک عدد اماں کے ساتھ شیطان پورے وثوق سے اسی کا منتظر تھا۔ (آگے دکھائے جانے والے کردار گاؤں میں قطعاً نہیں پائے جاتے۔ یہ محض کہانی کو بننے کیلئے من گھڑت قصہ ہے)

ہانیہ منہ بسورتی گاڑی کو پورچ کی طرف لے گئی۔ اندرونِ خانہ داخل ہونے تک وہ جا چکے تھے۔ جیسے ہی وہ اندر آئی، سامنے ابا کا اترا ہوا چہرہ، اماں کی سرخ آنکھیں اسے بہت کچھ باور کروا گئیں۔ وہ آج پھر آیا تھا اور آج پھر اپنی ڈیمانڈ ابا اماں کو سنا کر گیا تھا۔ نہیں! بلکہ آج پھر وہ اماں ابا کو دھمکا کر گیا تھا۔

ہانیہ ابراہیم پاشا کی اکلوتی بیٹی تھی اور انکی جائیداد کی اکلوتی وارث، ابراہیم پاشا خود بھی اکلوتے بھائی تھے۔ ندرت پاشا کے کہنے کو بھائی بہن تھے مگر ہانیہ کا جوڑ کہیں نہ تھا۔ کچھ اس سے عمر میں کافی چھوٹے تھے اور کچھ اس سے کافی بڑے! اتنے کہ انکی بیٹیاں ہانیہ سے دو دو تین تین سال چھوٹی تھیں۔ پاشا ہاؤس میں شادی کیلئے دونوں فریقین کا جوڑ ہونا بہت ضروری تھا۔ ابراہیم پاشا کے نزدیک بے جوڑ رشتے، رشتوں کو خراب کرنے کی ایک بڑی وجہ بن جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے کچھ جاننے والوں میں ہانیہ کیلئے انہیں اسکے جوڑ کا لڑکا نہ ملا تھا اور اوپر سے غضنفر محمود جو کہ اس سے کم از کم دس سال بڑا تھا اسکے ساتھ شادی کا حامی بنا بیٹھا تھا۔ اسکے نزدیک

اس میں کوئی خاص کمی نہ تھی کہ اسے پاشا ہاؤس کا جمائی نہ بنایا جاتا۔اب یہ تو کوئی ابراہیم پاشا سے پوچھتا کہ انہیں غضنفر محمود کس قدر متاثر کن لگ سکتا تھا۔جسکی زندگی کا اصلی مقصد محض خون خرابہ کرنا تھا۔ ماں باپ تو شاید کب کے مرچکے تھے۔ چچا چچی کی لالچی طبیعت کے زیرِ اثر پرورش پاتے وہ خود بھی ایک لالچی، مکار اور عیاش طبیعت کا انسان بن چکا تھا۔

دھڑام سے وہ صوفے پر جا بیٹھی، پوچھنے کی حماقت نہ کی کہ اسکے پیچھے کیا بات ہوئی تھی۔

ابراہیم پاشا لب بھینچے خاموشی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ساتھ ندرت بیگم کو حکم کرتے چلے۔

"میرے کمرے میں آئیں۔۔۔" مزید کچھ کہتے کہتے وہ چپ کر گئے اور خاموشی سے راہداری کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆.......☆.......☆

"میں یہ تو نہیں جان سکتا میری بیٹی کی قسمت کیسی ہے، مگر اب غضنفر محمود کی بدنیتی اسکی آنکھوں کے ساتھ ساتھ اسکے عمل میں بھی جھلک رہی ہے۔اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ہانیہ کی شادی اگلے مہینے کے اندر اندر کردوں گا۔"

ابراہیم پاشا کی سرد، مدھم آواز سٹڈی روم کے باہر نہ جا رہی تھی۔ندرت انکے اچانک فیصلے پر بھونچکا رہ گئیں۔

"مگر جلد بازی میں ہم غضنفر سے بچاتے بچاتے کہیں ہانیہ کو کسی غضنفر کے ہاتھ نہ سونپ دیں۔آپ خیال کریں، افراتفری کہیں بڑی مشکل نہ کھڑی کردے۔"

ندرت نے آرام دہ طریقے سے اپنی بات مکمل کی۔انکے ہاں ہر شخص کی رائے قیمتی تھی۔ چونکہ ایک گھر میں رہتے ہوئے تمام انسانوں کی سوچ ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے، تو اس طرح کے معاملات میں کسی صاحبِ عقل کی رئے لینا، ایک مضبوط فیصلہ کرنے میں

مددگار ثابت ہو سکتا تھا، یہ انکی سوچ تھی۔

ابراہیم پاشا سب کی سن کر من کی کرنے والے تھے۔ مگر سب کی عزت کا تقاضا تھا کہ ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سنی جاتی اور وہ سنتے بھی تھے۔

”اب تک جتنے بھی رشتے آئے ہیں سب کے سب قابل قبول تھے۔ دیری ہماری طرف سے تھی۔ مگر اب نہیں! میں نہیں چاہتا میری اکلوتی بیٹی غضنفر جیسے شرابی کی بیوی بنے۔“

باہم رضامندی سے فیصلہ کرتے اگلی صبح ابراہیم پاشا نے اپنی بیٹی کو واپس لاہور بھیج دیا۔ اسے کسی بات کے حوالے سے بھنک بھی نہ لگنے دی تاکہ وہ اپنے پرچے توجہ سے دے سکے۔ اپنے رویے کو حتی المقدور نارمل رکھتے ہوئے انہوں نے اسے رخصت کیا اور آپس میں فیصلہ یہ طے کیا کہ اگلے ایک مہینے کے اندر اندر ہانیہ کا نکاح اور رخصتی کر دی جائے۔ جس کے حوالے سے ایک دو رشتے انکی نظر میں تھے۔

☆......☆......☆

آج یونیورسٹی میں خاصی گہما گہمی تھی۔ ہر سٹوڈینٹ اپنے اپنے نوٹس لیے کسی نہ کسی کونے کھدرے میں بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ کوئی مڈٹرم کے پرچوں کی تیاری میں مگن تھا، کوئی فائنل کیلیے جتن کر رہا تھا۔ ہانیہ اپنی دوستوں کے ساتھ بیٹھی خاموش سی مڈٹرم کی تیاری کر رہی تھی۔ کم گو وہ پہلے ہی تھی۔ بہت زیادہ بولنا اسے پسند نہ تھا اور سونے پر سہاگہ غضنفر محمود کی آفر نے کر دیا تھا۔ جو اس سے شادی کا خواہش مند تھا۔ الجھی سوچوں کے گرداب میں جکڑتی نکلتی وہ بڑی مشکل سے توجہ دے پا رہی تھی کہ اچانک ایڈمن بلاک جو کہ قریب ہی تھا، سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ پہلے پہل تو ان سب نے توجہ ہی نہ دی مگر جیسے ہی کلاس فیلو تہمینہ نے بتایا کہ کوئی ہانیہ کا جاننے والا تھا، اسکی سانس تک بند ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے شور شرابہ کرنے والا بالکل عین اسکے

سامنے آ کھڑا ہوا۔ غضنفر محمود کیلئے یونیورسٹی داخل ہونا قطعی مشکل نہ تھا۔ ایک با اثر سیاست دان تھا وہ، کہیں بھی جاتا اسے مکمل پروٹوکول دیا جاتا۔

''غضنفر بھائی! آپ یہاں؟'' الجھن کا شکار وہ بولی۔ ہانیہ یہ بات جانتی تھی کہ غضنفر اسے پسند کرتا تھا یا شاید اسے محض ایک اچھی چیز لگنے کی بنیاد پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہاں اسکی موجودگی اسکے لیے ایک غیر معمولی اور غیر متوقع بات تھی۔

''ہاں! میں یہاں۔۔ اور میں تمہیں یہاں سے لینے آیا ہوں۔ کیونکہ تمہارا عزت دار شریف باپ میری بات تو مانے گا نہیں۔ تو میں نے سوچا یہی حل نکالتا ہوں! اور دیکھ لو۔'' وہ کمینگی سے مسکراتا ہوا اسکی طرف جھکا۔

''میں حاضر ہوں، تمہیں یہاں سے لے جانے کیلئے۔''

ہانیہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ غیر شہر میں غیر لوگوں میں اسکا کوئی اپنا نہ تھا۔ اسکی تو دوستیں بھی لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں سے کبھی دور کی سلام دعا کا رشتہ بھی نہ رکھا۔ اب اچانک کسی مرد کا پورے وثوق کے ساتھ آ کر اس پر دھونس جمانا، وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ اسی یونیوسٹی سے اس نے بی ایس کیا تھا، اور اب یہیں پر ایم ایس کر رہی تھی۔ اور ان پانچ چھ سالوں میں کبھی ایسے نہ ہوا تھا کہ ہانیہ ابراہیم کے ساتھ کسی لڑکے کا نام مذاق سے بھی جوڑا جاتا۔ اگر کوئی پٹڑی سے اترنے کی کوشش بھی کرتا تو ہانیہ کے تاثرات ہی اسے اوقات میں لے آتے۔ ہر وقت اپنی دنیا میں مگن رہنے والی، چند دوستوں کے علاوہ کسی کو منہ نہ لگانے والی اب اس وقت ایک ایسی آکورڈ صورت حال کا شکار ہو رہی تھی کہ ہر کسی کی نظر اسے اپنے آپ میں گڑتی محسوس ہوئی۔ تھوک نگلتے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ فیکلٹی ممبرز انہی کی طرف آ رہے تھے یا اسے لگا۔

"آپ یہاں تماشہ مت کریں۔ گھر جا کر اماں ابا سے بات کریں۔ وہ کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے۔" لڑکھڑاتی ہوئی وہ بولی۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گا لڑکی! تم سب اپنے آپ کو کوئی توپ شے سمجھ رہے ہو۔ چپ چاپ میرے ساتھ چلو۔"

یہ کہتے ہی غضنفر نے اسکا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے لے جانے لگا۔ ہانیہ خوف اور ڈر کے مارے بوکھلا سی گئی۔ چیختی چلاتی وہ احتجاج کرنے لگی۔ کچھ دیر قبل لوگوں کا ہجوم جو قدرے کم ہو گیا تھا ایک دم مجمعے کی شکل اختیار کر گیا۔ فیکلٹی ممبران جو دورے پر تھے، انہی کی طرف آ گئے۔ پروفیسر وہاج ارتضیٰ جتوئی آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"یہ کیا تماشہ ہے؟ آپ سب لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ اپنی اپنی کلاس میں جائیں۔" صورتحال کی سنگینی کا اندازہ وہاں آتے ہی اسے معلوم ہو چکا تھا۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ان دونوں کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"اور آپ! تعلیمی اداروں میں تماشہ کرنا شریف مردوں کا کام نہیں۔"

"کس نے کہا میں شریف ہوں؟" غضنفر کی بات پر اس نے ابرو اٹھائے۔

"آپ شریف نہیں، لیکن یہاں کے لوگ، طالبات یہ سب شریف ہیں۔ میں اجازت نہیں دیتا کہ یہاں پر کسی قسم کا میس کری ایٹ ہو۔ جائیں یہاں سے۔" سرد سے الفاظ میں وہ بولا۔ غضنفر ایک پل کو چپ سا کر گیا۔

"دیکھو پروفیسر! میں تمہیں جانتا ہوں۔ یہاں پر میں اپنی منکوحہ سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے اس سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ تم بھی نہیں۔" وہاج نے ابرو اٹھائے۔

"اس یونیورسٹی کا اونر ہونے کی حیثیت سے میں روک سکتا ہوں۔ یہ لورز سپاٹ نہیں ہے۔

http://sohnidigest.com

ایک مکمل جامعہ ہے جس کا مقصد تعلیم دینا ہے۔" وہاج نے کرخت سی آواز میں کہا تو غضنفر ہانیہ کا ہاتھ چھوڑ اسکی طرف بڑھ گیا۔

"تم مجھے نکالو گے؟ جانتے ہو میں کون ہوں؟ ایک سیکنڈ نہیں لگے گا تمہاری چمڑی ادھیڑنے میں۔" غضنفر کا شدت پسند رویہ اسے دانت پیسنے پر مجبور کر رہا تھا۔

"دیکھیں ایم این اے صاحب! آپ بات بڑھا کر طالبات کیلئے خوف و ہراس نہ پھیلائیں۔ اپنی منکوحہ کو لیں اور کسی دوسری جگہ یہ تماشہ لگائیں اور آپ! اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے اپنے گھر پر حل کریں یا کروائیں۔ اگر یہاں یہ سب ہوگا تو یونیورسٹی انتظامیہ آپ کو ایک منٹ سے پہلے سٹک آف کر سکتی ہے۔"

غضنفر کی ٹھنڈی کرنے کے بعد اسکا رخ ہانیہ کی طرف ہوا جو روئے جا رہی تھی۔

"آئم سوری سر! میں انکو نہیں جانتی۔ یہ میرے کچھ نہیں لگتے اور۔۔۔ اور یہ صرف مجھے یہاں دھمکانے آئے ہیں۔ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔"

غضنفر کے سامنے وہاج کا یوں کھڑے ہو جانا اور ہمت نہ ہارنا شاید اسکی ڈھارس بندھا گیا۔ ایک دم اسکے سامنے آتے ہوئے وہ بولی۔ وہاج نے ایک نظر غضنفر کو دیکھا اور پھر ہانیہ کو جو ہچکی لیتے ہوئے ہتھیلی سے آنسو صاف کر رہی تھی۔

"اوکے ریلیکس! آپ مس روبینہ کے آفس جا کر بیٹھیں۔"

ہانیہ کے ڈرے سہمے وجود کو دیکھتے وہ سمجھ چکا تھا کہ غضنفر کس لیے کا بندہ تھا۔ جس کی اس حرکت نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ ہر سٹوڈنٹ کی زبان پر اسکا نام تھا۔ فلاں ڈیپارٹمنٹ کی ہانیہ نامی لڑکی کے ساتھ یہ سب ہوا۔ اسے ایک ایسی غلطی کی سزا ملی تھی جو اس نے سرے سے کی ہی نہ تھی۔

''تم کون ہوتے ہو بھئی اسے کہیں بھیجنے والے۔میری منگیتر ہے وہ! اسے جہاں چاہوں لے کر جاسکتا ہوں۔ہانیہ! واپس آؤ تم۔'' زبان کی پھسلن نے وہاں کھڑے کئی لوگوں کو باور کروادیا کہ وہ صرف ایک اسکیمر تھا۔ وہاج نے طنزیہ مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی۔

''اپنے سوال کا جواب تم خود دے چکے ہو۔منگیتر یا بیوی جو بھی ہیں وہ، اپنے گھر جاؤ اور گھر جا کر معاملے حل کرو۔ یہاں وہ میری سٹوڈنٹ ہیں۔انکی ذمہ داری مجھ پر ہے۔اگر زیادہ بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو میں ابھی اور اسی وقت پولیس کو کال کروا کر تمہیں پوری عزت افزائی سے نکلواؤں گا۔'' وہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑا اسے دھمکا رہا تھا۔

غضنفر محمود کا خون کھولا۔ایک پل کو آگے بڑھ کر اسکا گریبان پکڑنے لگا کہ پیچھے کھڑے سیکرٹری نے اسکا بازو پکڑ کر اسکے کان میں کچھ کہا۔سیکرٹری کی بات سننے کے بعد اس نے اپنے بازو کو جھٹکے سے چھڑوایا اور وہاج کی طرف دیکھ کر بولا۔

''آج تو میں جا رہا ہوں۔مگر وہ دن دور نہیں جب تم جیسا دو ٹکے کا پروفیسر خود مجھے رسیو کرے گا۔اور وہ بھی پورے ادب اور احترام کے ساتھ۔''

اسکی آنکھوں میں دیکھ کر وہ رکا نہیں۔لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ مین گیٹ عبور کر گیا۔دیکھتے ہی دیکھتے سارا رش ختم ہوگیا۔

وہاج اور اسکا ساتھی جو یونی کے وزٹ پر نکلے تھے واپس ہو لیے۔

وہاج ارتضیٰ لاہور کی اس بڑی یونیورسٹی کا اونر بھی تھا اور یہیں پروفیسر کی ڈیوٹی بھی انجام دے رہا تھا۔اس جامعہ کی اصل بنیاد وہاج کے دادا نے رکھی تھی۔پھر اسکے بعد ارتضیٰ جتوئی نے یونیورسٹی کیلیئے خدمات سرانجام دیں۔اب وہاج جو اپنی پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکا تھا۔یہیں بطور لیکچرار اپائنٹ ہو گیا۔ڈیوٹی پر آنے کے تین سال بعد ارتضیٰ جتوئی آن ڈیوٹی ہارٹ

انتیک سے چل بسے۔اب انکی ذمہ داریاں بھی وہاج کے کندھوں پر تھیں۔انہی کے پیش نظر اسے ڈین کے عہدے پر فائز کیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

سارادن وہ مس روبینہ کے کیبن میں بیٹھی رہی۔ابراہیم پاشا کو فون کر کے ساری صورتحال وہ بتا چکی تھی۔بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ اسکے ساتھ ہونے والا سارا ماجرا مس روبینہ نے ہی ابراہیم پاشا کے گوش گزارا۔وہ تو انکے فون اٹھاتے ہی ہچکیوں سے رونا شروع ہو چکی تھی۔مس روبینہ کو وہ کہہ چکے تھے کہ چار بجے تک لاہور پہنچ جائیں گے۔جب تک وہ ہانیہ کا خیال رکھیں۔تکلیف، پریشانی اور اس ہنگامی صورتحال نے اسے اس قدر متغیر کر دیا تھا کہ اب وہ بخار سے تپ رہی تھی۔وہاج جب مس روبینہ کے کیبن میں آیا تو وہ صوفے کی ہتھی پر سر رکھے شاید سو رہی تھی یا یونہی لیٹی ہوئی تھی۔مس روبینہ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن وہاج نے اشارتاً انہیں بیٹھے رہنے کا کہا اور ایک نظر ہانیہ کی طرف دیکھ کر وہ واپس چلا گیا۔مس روبینہ بذات خود ہانیہ ابراہیم کو جانتی تھیں، اسکا کردار شیشے کی طرح صاف اور شفاف تھا۔انہوں نے بغیر کوئی شک وشبہ کیے اسے آرام کرنے دیا۔جو بھی تھا وہ اسکی ماموں زاد ندرت بیگم کی بیٹی تھی اور اب اس بیگانے شہر میں صرف وہی تھیں جو اسے جانتی تھیں۔ایک نرم سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہ اپنی فائل اٹھا کر باہر چلی گئیں۔کلاسز کے اوقات کار ہی ایسے تھے اب ایوننگ سیشن شروع تھا اور انہوں نے ایک دو کلاسز لے کر واپس روم میں آنا تھا۔

قریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد وہاج ایک ساتھی کولیگ کے ساتھ دوبارہ آفس آیا۔اس دفعہ وہ جاگ رہی تھی۔جب اپنے سامنے وہاج ارتضٰی کو دیکھا تو ایک دم چادر ٹھیک کر کے کھڑی ہوگئی۔

”بیٹھیں مس ہانیہ۔“ اسے بیٹھنے کا کہہ کر وہ خود ایک طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”دیکھیں بچے! آپ جانتی ہیں آج جو کچھ بھی ہوا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ بحیثیت ایک سوسائٹی ممبر آپ کو اس بات کا خیال ہوگا کہ اس طرح کے واقعات جامعات کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔“ پروفیسر اسلم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ قدرے توقف کے بعد دوبارے بولے۔

”میں پرسنلی ابراہیم صاحب کو جانتا ہوں۔ مگر۔۔۔“ وہ رک سے گئے۔ ہانیہ کہیں نہ کہیں انکی بات کا رخ جانتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ پروفیسر اسلم کیا کہنا چاہتے ہیں۔

”انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو یونیورسٹی سے ایک ماہ کیلئے سٹک آف کیا جا رہا ہے۔ امید ہے آپ ہمارے ساتھ تعاون کریں گی۔“ کہتے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہانیہ کو آج تک کسی بات پر اپنی اس قدر بیکی محسوس نہ ہوئی تھی جس قدر اس وقت ہو رہی تھی۔ آنسو بہا بہا کر اس نے اپنا برا حال کر لیا تھا مگر کیا فائدہ ہوا، کسی نے اس پر یقین نہیں کیا۔ اکلوتی اولاد سمجھا، اور الزام کی یقین دہانی پر مہر لگاتے گئے۔ جیسے وہ اکلوتی بیٹی ایک شہر سے دوسرے شہر صرف عیاشی کرنے آئی تھی۔ اکلوتی اولادوں کے بارے میں اکثر یہی تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ بگڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسے بھی ایک ایسی ہی لڑکی سمجھ کر الزامات پر بغیر کسی تردد یقین کر لیا گیا۔ کسی نے بھی اس سے کچھ نہ پوچھا۔ سیدھا آئے صرف یہ کہنے کہ وہ ایک ماہ کیلئے اپنے مشکوک کردار کی وجہ سے سٹک آف کی جا رہی تھی۔ کیا انصاف تھا۔

”سر! نہ تو میں ایسی لڑکی ہوں نہ مجھے اس طرح کی اوچھی حرکتیں کروانا پسند ہے۔ میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں ایک غیر شہر میں، غیر لوگوں میں موجود ہوں۔ جتنا مرضی کہہ لوں، کر لوں۔ مگر جو حقیقت ہے وہ بدل نہیں سکتی۔“ بات کرتے ہوئے وہ پروفیسر اسلم کے سامنے آن کھڑی

ہوئی۔ وہاج خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''اور حقیقت یہ ہے کہ میں لڑکی ہوں اور لڑکی کیلئے سب سے بہتر حل یہی ہوتا ہے کہ اسے یونیورسٹی سے ایک ماہ کیلئے سٹک آف کر دیا جائے۔'' ہانیہ کو لگا شاید سارے دن کی بھڑاس ابھی نکالنا ہی ہر مسئلے کا حل تھا۔

''بات کا الٹا مطلب نہیں نکالیں آپ۔ یہ آپ کی بحث تھی، آپ کی لڑائی تھی اور بدنامی پوری یونیورسٹی کی ہوئی ہے۔'' الفاظ پر زور دیتے ہوئے وہاج نے کہا۔ جواب تک خاموش سا کھڑا اسلم کی بات سن رہا تھا۔

''رئیلی؟ میں الٹا مطلب نکال رہی ہوں۔ سر! مجھے چھ سال ہو گئے ہیں اس یونیوسٹی میں۔ آج تک میرا کوئی سکینڈل نہیں نکلا، کہیں کوئی میری وجہ سے ڈسٹرب نہیں ہوا، نہ ہی میں کسی کیس میں انوالوڈ رہی ہوں۔۔۔ اب چھ سال بعد صرف ایک چھوٹی سی بات پر میرے پرچے ادھورے چھڑوا کر مجھے سٹک آف کیا جا رہا ہے۔ اور آپ کہہ رہے ہیں میں بات کا الٹا مطلب نکال رہی ہوں۔ یعنی کہ حد ہے۔'' وہ بولنے پر آئی تو اتنا بولی کہ وہاج کے ابرو بے اختیار اٹھ گئے، چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار پھیل گئے۔

''چھ سال بھلے آپ بغیر کسی سکینڈل کے رہیں ہو، یقین کریں! اگر آپ دس سال بھی اس یونیوسٹی میں گزاریں بغیر کسی سکینڈل کے اور آخر میں کوئی چھوٹی سی بات بھی نکل آئے جو میری یونیوسٹی کی ساکھ کو خراب کرتی ہو۔ میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا آپ کو سٹک آف کرنے میں۔'' تیوری چڑھائے وہ باقاعدہ غصے سے بولا۔

ہانیہ حیران سی اسے دیکھے گئی، اسکا کردار بالکل صاف اور شفاف تھا، یونہی تو نہیں اسے سینئر سوسائٹی ممبر بنایا گیا تھا۔ اسے گولڈ میڈل دینے والا وہاج ارتضیٰ ہی تھا۔ ایک چھوٹی سی

غلط فہمی اسکے کردار کو بری طرح سے مشکوک کر چکی تھی۔

''سر! خدارا میرا یقین کریں۔ میں ایسی نہیں ہوں۔'' بس ہاتھ جوڑنے کی کسر رہ چکی تھی، وگرنہ اسکے لہجے کی بے بسی وہاں ان دونوں کو بہر حال سمجھ آ چکی تھی۔ وہاج نے گہرا سانس بھرا۔ جیسے پروفیسر اسلم کو بولنے کا موقع دیا ہو۔

''بچے! آپ سوسائٹی ممبر ہیں، آپ کو اندازہ ہونا چاہیے کہ اصول وضوابط کسی بھی جامعہ کیلئے کتنے ضروری ہوتے ہیں۔ اگر آپ انکی خلاف ورزی کریں گے تو یقیناً انتظامیہ کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ آپ پر قانونی کارروائی تک کر سکتے ہیں۔'' پروفیسر اسلم نے اسے جیسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ دنگ سی انہیں دیکھے گئی۔

''سر! میں نے کوئی اصول نہیں توڑا۔ اور۔۔۔''

وہ بے بسی سے کچھ کہنے لگی کہ وہاج نے اسکی بات کاٹ دی۔ ''ہم لوگ اپنے اصولوں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے مس ہانیہ۔ گارڈز کو انفارم کر دیا گیا ہے وہ آپ کو اگلے ایک ماہ تک یونیورسٹی داخلہ نہیں دیں گے۔ آپ بھی ذرا احتیاط کریں۔ اگر آپ نے مزید کوئی احتجاج کیا تو مجبوراً ہمیں کوئی بڑا قدم اٹھانا پڑے گا۔ جو یقیناً آپ کے ایجوکیشنل کیریئر کیلئے نقصان دہ ہوگا۔'' سرد سے الفاظ میں کہتے ہوئے وہ باہر چلا گیا۔ اسلم بھی اسکے پیچھے ہولیا۔ ہانیہ بے بسی کی تصویر بنی بس دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ جانتی تھی یہ انتہائی قدم یقیناً اسکی ڈگری کو منسوخ کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ بے بسی سے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ آخر یہ سب کیا ہو رہا تھا اسکے ساتھ اور کیوں؟ کیا بگاڑا تھا اس نے غضنفر کا جو یوں اسے بھرے مجمعے میں ذلیل کر گیا۔ سر ہاتھوں میں گرا کر وہ صوفے پر گر سی گئی۔ نجانے قسمت کیسا موڑ مڑنے والی تھی۔

☆......☆......☆

تھکا ہارا وہ یونیورسٹی سے لوٹا تو سامنے اماں حضور جاگ رہی تھیں۔اس وقت انکا جاگنا اسے کھٹک گیا۔کھانے کی میز پر بیٹھیں وہ باہم ہاتھ ملائے سامنے پڑے چکن قورمے کو دیکھے جارہی تھیں۔کچن سے ہی ہاتھ منہ دھو کر وہ ڈائننگ ٹیبل پر آگیا اور چھوٹتے ہی بولا۔

''آج خیریت تھی اماں جی؟ گیارہ بجنے کو ہیں۔میں بھی لیٹ ہوگیا اور آپ بھی نہیں سوئیں۔'' روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے وہ فکرمندی سے بولا۔

سفینہ بیگم پانی گلاس میں انڈیلنے لگیں۔''بیٹا جوان ہو، کنوارہ ہو اور رات دیر دیر تک نہ آئے تو مائیں یونہی جاگتی ہیں بیٹا۔یہ پریشانی تم ابھی نہیں سمجھو گے۔'' گلاس اسکی طرف بڑھاتے ہوئے وہ بولیں۔

''صحیح بات ہے۔'' جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ بس یہی بول سکا۔

''وہاج۔'' ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد وہ بڑی دلجمعی سے بولیں۔

''جی۔''

''بیٹا! میری خالہ زاد بہن ہے۔سیالکوٹ میں۔''

''جی جی میں جانتا ہوں۔خالہ ندرت کی بات کر رہی ہیں آپ؟''

''ہاں! مگر تم کیسے جانتے ہو؟'' انہیں حیرانی ہوئی۔کیونکہ وہ بہت کم ان سے رابطہ رکھ سکی تھیں اور وہاج کو لے کر وہ کبھی بھی انکے ہاں نہ جا سکی تھیں۔

''آپ اکثر انکا ذکر کرتی رہتی ہیں۔''

''انکی بیٹی ہے ہانیہ۔وہ اسکا رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں۔آج جب اتنے سالوں بعد میں نے رابطہ کیا ہے اور جب سے کیا ہے تب سے میں پریشان ہوں۔'' ایک اضطراب سا تھا انکے چہرے پر۔پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اچانک آج کا واقعہ ذہن میں آیا لیکن یہ صرف ایک

عام سا خیال تھا۔ پانی کا گلاس رکھتے ہوئے وہ بولا۔

"کیسی پریشانی اماں؟ کھل کر بات کریں۔"

"خاندانی دشمنی کی بھینٹ چڑھ رہی ہے ہانیہ۔ کوئی دشمن برادری دھمکا رہی ہے انہیں کہ ہانیہ کی شادی کروائیں انکے بیٹے کے ساتھ۔" سفینہ بیگم اداس سی اسے ساری صورتحال بتا رہی تھیں۔

"اماں! ہم کیا کر سکتے اس میں؟ میں تو انہیں جانتا تک نہیں اور نہ اتنی گہری رشتے داری ہے کہ میں انکے گھر یونہی منہ اٹھا کر چلا جاؤں۔" وہاج نے سرے سے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

"لیکن میں بدلنا چاہتی ہوں۔" سفینہ بیگم شاید پہلے ہی کوئی فیصلہ کر چکی تھیں۔ ایک دم سیدھی ہوئیں۔

"کیا کرنا چاہتی ہیں آپ؟" جان بوجھ کر وہ انجان بنا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم ہانیہ سے شادی کر لو۔"

"اماں! میں۔۔۔ نہیں پلیز۔"

"کیوں نہیں؟ وہ کلموئی کیا اتنی پیاری تھی اسکے عشق میں غرق تم ماں کی بات ہی ٹال دو گے۔"

"ایسا نہیں ہے اماں۔"

"تو کیسا ہے؟ مجھے بھی بتا دو وہاج، آخر تم کیوں بھاگ رہے ہو شادی سے؟"

"میں بھاگ نہیں رہا۔" وہ منمنایا۔

"تو کیا کر رہے ہو؟"

"اسے بھاگنا نہیں کہتے اماں۔"

’’اور میرے خیال میں اسے بھاگنا ہی کہتے ہیں۔۔ دیکھو وہاج! میں جانتی ہوں تم جس سے محبت کرتے تھے وہ تمہیں چھوڑ کر چلی گئی مگر یقین کرو، ہانیہ کے ساتھ نکاح کر کے تم پچھتاؤ گے نہیں۔‘‘

’’وہ کیسے؟‘‘

’’یہ جو ہم بحث کر رہے ہیں نا۔ اسے گاؤں میں کوئی حیثیت نہیں دی جاتی۔ ماں اور بیٹے کا ایک جگہ بیٹھ کر بیٹے کی ناکام عاشقی پر ماتم کرنا یہاں تو چلتا ہے مگر گاؤں میں لوگ ایسے انسانوں کو پاگل کہتے ہیں۔‘‘ بات کے آخر پر وہ ہنس دیں۔

’’عجیب لوگ ہوتے ہیں پھر گاؤں کے۔‘‘ اسے کوفت سی ہوئی۔

’’انکے ساتھ رشتے میں بندھ جاؤ۔ یوں لگے گا کسی ریاست کے شہزادے ہو۔ گاؤں کے لوگ اپنے داماد کو کسی شہزادے کی طرح رکھتے ہیں۔‘‘ سفینہ بیگم کی بات پر اس نے کھانے سے ہاتھ روکے، اور آنکھیں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔

’’اماں! رکھا جانوروں کو جاتا ہے اور میں جیتا جاگتا انسان ہوں۔‘‘ گو کہ بات سنجیدہ تھی مگر اسکے چہرے پر آج ایک تبسم سا تھا۔ شاید وہ انکی باتوں کو انجوائے کر رہا تھا۔

’’ایسی بکواس مت کیا کرو وجی! کوئی مان سکتا ہے کہ تم لاہور یونیورسٹی کے ڈین ہو، امپاسبل۔‘‘ سفینہ بیگم نے آنکھیں گھمائیں۔

’’کوئی مان سکتا ہے کہ آپ لاہور یونیورسٹی کے ڈین پر اس طرح دباؤ ڈال کر کام نکلواتی ہیں۔ امپاسبل!‘‘ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے وہ انہیں کے انداز میں بولا اور پھر اپنے کمرے کی طرف مڑنے کو تھا کہ سفینہ بیگم کی آواز پر رکا۔

’’پھر میں کیا کہوں ندرت کو؟‘‘

"کردیں ہاں۔" اپنے کمرے کے دروازے کے پاس جاتے ہوئے بغیر مڑے وہ بولا۔ انداز بڑا نارمل سا تھا۔

"دوبارہ بولو۔" سفینہ بیگم نے قدرے اشتیاق سے یقین دہانی طلب کی۔ آنکھیں چمکیں، کہیں ہلکی سی نمی بھی آ گئی۔

"اب میں مکر جاؤں گا پھر۔" ہینڈل کو پکڑتے ہوئے وہ بولا۔ دونوں ماں بیٹے کے چہروں پر محبت بھری مسکراہٹ تھی۔ وہ بہن کے کام آنے پر، بیٹے کے مان جانے پر خوش تھیں اور وہاج اپنی ماں کے چہرے پر آنے والی خوشی کی رمق دیکھ کر خوش تھا، مطمئن تھا۔

وہ پچیس سال کا تھا جب اپنی کلاس فیلو سے ہی اس نے منگنی کروائی تھی۔ سفینہ بیگم کو بھی لڑکی پسند تھی۔ بڑی آہستگی سے منگنی کر دی گئی مگر سفینہ بیگم گاؤں کی عورت تھیں۔ انکا ماننا تھا کہ منگنی کے فوری بعد نکاح کر لینا، جبکہ رشتہ غیروں میں ہو رہا ہو تو بعد میں کئی مسئلے کھڑا کر دیتا ہے۔ اور پھر نکاح کے بعد پیچھے ہٹنا قطعی مناسب بات نہ تھی۔ انکی یہ سوچ منگنی کے تین ماہ بعد ہی سچ ثابت ہو گئی جب وہاج کی منگیتر نے اپنے چچازاد کی محبت میں آ کر منگنی کا سارا سامان واپس بھجوا دیا۔ کہنے کو یہ ایک بہت ہی پریشان کن صورتحال تھی مگر سفینہ بیگم نے جیسے شکر ادا کیا۔ لڑکی شروع میں واقعی اچھی تھی مگر پھر آئے روز وہ اپنے اسی چچازاد کے ساتھ آ پہنچتی۔ شروع میں سفینہ بیگم نے بڑا اہتمام کروایا لیکن جب یہ تانتا بندھا تو وہ اندر سے کھٹک گئیں۔ دنیادار خاتون تھیں، سمجھدار تھیں۔ ہونے والی بہو کا وہاج پر دھونس جمانا اور چچازاد کے ساتھ کہیں بھی منہ اٹھا کے چل دینا انہیں بہت کچھ باور کروا گیا۔ ایک دن تنگ آ کر انہوں نے فیصلہ کن انداز میں اسے کہہ ہی دیا۔

"بیٹا! یہ تمہارا گھر ہے۔ جب مرضی آؤ۔ لیکن اپنے ماں باپ کے ساتھ آیا کرو یا پھر اپنے

کسی بھائی کے ساتھ۔ اچھی لڑکیاں ہر کسی کے ساتھ نہیں نکل پڑتیں۔ نہ ہی یہ بیٹیوں کا وطیرہ ہوتا ہے۔" بڑے ٹھنڈے اور سرد سے لہجے میں کہا تھا۔ زرتاشہ کی شکل ایسی بجھی کہ پھر اسکے بعد واپس انکے گھر نہ آئی۔

وہاج نے ماں سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جبکہ کچھ دن ہی گزرے کہ منگنی کا سارا سامان واپس آ گیا۔ وہ دل ہی دل میں خوش ہوئیں۔ جان چھوٹی والا حساب تھا۔ پھر چند دن بھی نہ گزرے کہ وہاج کی طرف سے جو اطلاع ملی وہ واقعی حیرت انگیز تھی۔ زرتاشہ نے اپنے چچازاد سے نکاح کر لیا تھا۔ منگنی بھی اسی کے کہنے پر ٹوٹی۔ شاید اسکی قسمت اسکے ساتھ تھی۔ گھر والے تو پہلے ہی چچازاد پر وہاج کو فوقیت دینے سے خار کھا رہے تھے۔ جب بیٹی نے نیا فیصلہ سنایا تو سارے خوشی سے نہال ہو ہو جا رہے تھے۔

کسی پر دل آ جانا، کسی سے محبت کی شادی کر لینا، محبت کے اظہار میں پہل کر دینا۔ یہ سب کہیں سے بھی عورت کے کردار کو مشکوک نہیں کرتے۔ عقلیت کا تقاضہ ہے کہ یہ سارے اختیار عورت کے پاس ہونے بھی چاہئیں۔ ایک مرد سے محبت کرنے والی، اس سے شادی کی خواہش کرنے والی اور حتیٰ کہ اس چیز کا اظہار اپنے والدین سے کرنے والی لڑکیاں قطعی بدکردار نہیں ہوتیں۔ مگر جگہ جگہ منہ مارنے والی، ہر پھول پر منڈلانے والی تتلیاں نہ تو محلوں میں اچھی لگتی ہیں، نہ ہی ایسی کوکھ سے بہادر بیٹے اور باکردار بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔

جو عورتیں ہر پھول پر منڈلانے والی تتلیوں کی طرح زندگی گزاریں، انکے ہاں عاشق تو پیدا ہو سکتے ہیں مگر جنگجو سپاہی نہیں۔

☆......☆......☆

گھر سے صرف اسے پرچوں کی وجہ سے بھیجا گیا تھا تاکہ وہ مطمئن ہو کر پرچے دے

سکے۔ مگر حالات اور قسمت کا موڑ یہ ہرگز نہ تھا۔ مجبوراً اسے واپسی کی راہ اختیار کرنی پڑی اور واپسی کی راہ جہاں کہیں بھی ہو آسان نہیں ہوتی۔

بوجھل دل کے ساتھ وہ گھر پہنچی تو ہر بار کی طرح ایک نیا سرپرائز اسکا منتظر تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ اس دفعہ سرپرائز غضنفر کی طرف سے نہیں بلکہ گھر والوں کی طرف سے تھا۔ اسکا رشتہ طے ہو چکا تھا اور جلد از جلد نکاح منعقد ہونے کے امکانات تھے۔ اس قدر جلد کہ اگلے ہفتے کی کوئی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ شاید جمعہ تھا۔ یہ وہ نہ جانتی تھی۔ اماں ابا کے ساتھ عصر کے بعد کافی دیر وہ بیٹھی رہی۔

ابراہیم پاشا کی دیرینہ خواہش تھی کہ انکی بیٹی بہت زیادہ باتونی ہو مگر ایسا نہ تھا۔ ندرت پاشا اور ابراہیم پاشا کی شخصیت کا عکس اس میں یہ بنا کہ بعض اوقات وہ باتونی ہو جاتی اور بعض دفعہ کم گو، سنجیدہ سی۔ مگر ایک بات تھی، وہ غصے کی بہت تیز تھی اور جذباتیت میں بھی سب سے آگے تھی۔ ندرت پاشا نے مختصراً اسے اسکے سسرالیوں کا بتا دیا تھا اور تھوڑا تو یونہی گھر والوں کی باتوں سے اسے اندازہ ہو چکا تھا۔ اماں کے جاننے والوں کے ہاں اسکی شادی ہو رہی تھی۔

"میری خالہ زاد بہن ہے اسکا بیٹا ہے وہاج! لاہور میں ہی رہتے ہیں۔" ندرت پاشا کے الفاظ پر ایک پل کو وہاج ارتضیٰ کا عکس اسکے ذہن میں ابھرا۔ جسے لاحول پڑھتے اس نے جھٹک دیا اور ساری توجہ اماں کی طرف مبذول کر دی۔

"تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟" بیٹی کی خاموشی سے وہ یہی اندازہ لگا سکیں۔ گو کہ یونیورسٹی والے واقعے کا انہیں علم تھا۔ لیکن نجانے کیوں انہیں لگا ایک دفعہ پوچھ لینا چاہیے۔ ہانیہ ایک دم جیسے چونک سی گئی۔ پھر مسکراتے ہوئے انکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"اماں! جو آپ لوگوں کا فیصلہ ہے وہی میرا بھی فیصلہ ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ

محبت سے بول کر انکے ساتھ لگ گئی۔ندرت بیگم نے اسکی پیٹھ کو سہلاتے ہوئے سر کو چوما۔

☆......☆......☆

آج وہ اپنی ماموں زاد حاجرہ کے ساتھ شاپنگ کرنے آئی تھی۔غضنفر محمود کے گھر میں کچھ مسائل ایسے اٹھے تھے یا اٹھوائے گئے تھے کہ وہ ان میں پھنسا ہانیہ کو بھول چکا تھا۔نکاح کی بات بھی حتی المقدور چھپا کر رکھی گئی تھی تاکہ کسی بھی طریقے اسے بھنک بھی نہ لگنے پائے۔مین سٹی میں ہی نکاح کے سارے ارینج منٹس ہونے تھے۔

''ہانیہ! تم ایم این ایم پر جاؤ! میں یہ فون سن کر آتی ہوں۔'' بوتیک کے سامنے آتے ہی اچانک کال آنے پر حاجرہ کو ایکسکیوز کرنا پڑا۔ہانیہ سر ہلاتی اندر چلی گئی۔

''جی پھپھو! ہاں جی، بس بوتیک میں جانے ہی لگے تھے کہ آپ کی کال آ گئی۔''

''کیا مطلب؟ ابھی تک اس نے اپنا فیانسی ہی نہیں دیکھا؟'' حیرت سے اس نے شیشے میں نظر آتے ہانیہ کے عکس کو دیکھا۔

''اوہو، اچھا آپ بھیجیں۔میں دکھاتی ہوں اور ذرا اس کی کلاس بھی لیتی ہوں۔کیسی لڑکی ہے یہ؟ جسکے نام کی خریداری کر رہی ہے اسی کو نہیں دیکھا ہوا۔چلیں ٹھیک ہے۔بھیجیں آپ! اللہ حافظ۔'' تاسف سے سر ہلاتے ہوئے وہ بھی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''کس کا فون تھا؟'' ہانیہ نے پوچھا۔ساتھ ساتھ وہ شوکیس میں لٹکے ہینگرز کو الٹ پلٹ کر کے سوٹ دیکھ رہی تھی۔

''آپ کی اماں حضور کا۔'' کچے پیلے رنگ کی گاؤن کو نکال کر دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

''آہاں! کیا کہہ رہی تھیں؟'' اس نے حیرت سے حاجرہ کو دیکھا۔پھر ایک ریک سے سوٹ پسند نہ آیا تو دوسری طرف بڑھ گئی۔

''آپ کے فیانسی کی پکس آئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ اپنی کزن کو بولو ایک دفعہ دیکھ لو۔ یہ نہ ہو کل کو لڑکا لنگڑا لولا نکل آیا تو ہمیں باتیں سناؤ گی۔'' حاجرہ کا وہی مصروف انداز تھا۔ ہانیہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔

''ایسے ہو سکتا ہے کہ اماں ابا کسی لنگڑے لولے کو ڈھونڈیں، وہ بھی میرے لیے! امپاسبل۔'' ہانیہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے لائٹ بلو شیڈ کی میکسی پر ہاتھ رکھا۔

''یہ ٹھیک رہے گی؟'' مدد طلب نظروں سے حاجرہ کو دیکھا۔ جو چند پل تو سوٹ کو گھورتی رہی پھر کچھ سوچ کر سر ہلا دیا۔

''ڈن کر دوں؟''

''ہاں کر لو۔''

''لیکن ایک منٹ۔'' وہ رکی۔ ہانیہ نے سوالیہ اسے دیکھا۔

''تمہارے سسرال والے سوٹ لائیں گے۔ وہ بھی سفید غرارہ سیٹ۔ پھر یہ کیوں؟'' اس نے کڑی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری بہن! وہ لائیں گے یا نہیں۔ یہ بعد کی بات ہے۔ لیکن مجھے اپنی طرف سے پورا انتظام رکھنا چاہیے۔ اللہ نہ کرے وہ نہ لائے تو؟'' اس نے جیسے بڑے ہی سمجھدارانہ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ حاجرہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''بہن! ابراہیم پاشا کی بیٹی ہو۔ کسی ماڑے توڑے (گئے گزرے) سے نہیں کیا ہو گا رشتہ، عقل کو ہاتھ مارا کرو۔'' کہتے ہی اس نے ایک چپت اسکے سر پر لگائی۔

''تمہیں کیجوئیل سوٹ لینے چاہیے۔ ایک آدھ بوتیک کا ٹھیک ہے زیادہ تر آرام دہ ہی لو۔'' حاجرہ لان کی کلیکشن کے پاس جا کر بولی۔

”ارے یار! نکاح کے بعد دعوتیں ہوتی ہیں۔ وہاں لان کے سوٹ پہن کر جاؤں گی میں؟“ ہانیہ بے اختیار تپی جبکہ حاجرہ ایک پل کو حیران ہوئی، اسے دیکھا، بے اختیار قہقہہ چھوٹ گیا۔

”کیا پاگل عورت ہو تم۔ میری بہن! نکاح ہو رہا ہے، رخصتی نہیں۔ ابھی سے انکے پہلو میں بیٹھنے کے خواب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔“

”بکومت۔“ اسکی آخری بات پر وہ بے اختیار سرخ پڑی۔

”اچھا ایک بات تو بتاؤ؟“ ہانیہ بار بار اسی میکسی کو دیکھ کر اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو کچھ کہہ رہی تھی۔ حاجرہ کی بات پر چونکی۔

”یہ وہ خالہ بانو کے بیٹے کی شادی کیلئے لے رہی ہو نا؟“ اسکے کہنے کی دیر تھی۔ ہانیہ نے مسکراہٹ دبائی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے۔ اب کپڑے خریدے، تو اماں حضور دو ماہ بعد تیمور کی شادی پر لینے دیں گی؟ کبھی بھی نہیں۔ اس لیے یہی حل کہ اگلے چھ ماہ میں جو تین شادیاں آرہی ہیں سب کیلئے ایک ایک سوٹ لے لوں۔ اماں بھی خوش، میں بھی خوش۔“ واہ کیا عقل تھی۔ حاجرہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

دونوں کو ہی وہ میکسی بہت پسند آئی تھی۔ ڈریسز فائنل کر کے گاڑی میں رکھوا کر وہ دونوں اب جیولری کارنر پر آگئی تھیں۔ چم چم کرتی آرٹیفشل جیولری آنکھوں کو حیران کر رہی تھی۔ ہانیہ نے شاپ میں اینٹر ہوتے ہی ایک سیٹ کو دیکھا اور اسے پسند کر لیا۔ زرقون کے آسمانی رنگ کے نگوں والا وہ سیٹ اس قدر دل موہ لینے والا تھا کہ حاجرہ کی کوئی دوسری رائے نہ رہ سکی۔ باریک بینی سے سفید اور آسمانی رنگ کے نگوں کے نیچے زرقون کے موتی لٹک رہے تھے۔

موتیوں کی ترتیب ایسی تھی کہ ان میں ذرا بھی وقفہ نہ تھا ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ ہلانے پر ہی معلوم ہوتا کہ وہ الگ تھے ورنہ یہ گمان ہوتا کہ سارے موتی ایک ہی دھاگے میں پروئے ہوئے تھے۔ ہانیہ نے اپنا سیٹ فائنل کیا اور ندرت بیگم کی کال سننے باہر کو نکل گئی۔ جبکہ حاجرہ اپنے لیے کچھ دیکھنے لگی۔

جیسے ہی ہانیہ نے قدم دروازے کی طرف بڑھائے، سامنے سے آتے شخص کو دیکھ نہ پائی اور جھکے سر سے آنے والے کے سینے سے ٹکرائی۔ ٹھیک اسی وقت حاجرہ کا فون تین چار دفعہ بیپ کیا۔ جونہی سکرین کھولی اور مطلوبہ کانٹیکٹ نکالا تو سامنے دلہا بھائی کی تصویریں دیکھ کر اس نے دبی سی چیخ ماری اور ایکسائٹمنٹ میں مڑی۔ مگر پیچھے کوئی اور محاذ کھڑا تھا۔

''اللہ!'' سینے کے بل دہرے ہوتے اسکی زبان سے بس یہی نکل سکا۔ ہانیہ کو لگی تو نہ تھی مگر سامنے موجود شخصیت کو دیکھ کر اسکے اوسان خطا ہونے لگے۔

''سر! آپ۔ ایم سوری سر، میں نے دیکھا نہیں۔ میری غلطی ہے۔'' فون بند کر کے وہ فوراً وہاج کی طرف لپکی۔

''سوری!! سوری فار واٹ؟ آپ پاگلوں کی طرح چل کیوں رہی تھیں؟ آہ۔'' دہرے ہوئے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکے چہرے پر تکلیف کے آثار صاف ظاہر تھے۔ ہاتھ میں پکڑا شاپر ہانیہ نے پکڑ لیا۔ حاجرہ کی آنکھیں چمکیں۔ کبھی وہ سامنے تکلیف سے دہرے ہوتے انسان کو دیکھتی کبھی سکرین پر نظر آنے والی تصویر کو۔

''ارے جیجو۔'' وہیں سے اس نے ہانک لگائی۔ ان دونوں کے ساتھ ساتھ چند ایک اور بھی اس ہانک پر مڑے تھے۔ مگر وہاں کسے پرواہ تھی۔ دکاندار اور ارد گرد کے لوگوں کی نظروں کی پرواہ کیے بغیر وہ ان دونوں کی طرف آئی۔

''دیکھا! میں نے کہا تھا نا پھپھو کی پسند ہو اور لنگڑی لولی ہو، ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔'' دونوں ہاتھوں سے تالی مارتی وہ اپنے شدید ترین اشتیاق کو ظاہر کر رہی تھی۔ ہانیہ نے اسکا بازو دبوچا اور دبی آواز میں بولی۔

''خدا کا خوف کرو! یہ ڈین ہیں ہماری یونیورسٹی کے۔ پاگل لڑکی۔''

حاجرہ نے آنکھیں مٹکائیں۔

''ارے نہیں پگلی! یہ اب ہمارے جیجو بھی ہیں۔ ویسے لاہور چھوڑ کر یہاں سیالکوٹ میں شاپنگ کرنے کیوں آئی ہیں؟ اوہ! اچھا میں سمجھ گئی۔'' بات کے آخر پر معنی خیزی سے ہانیہ کو دیکھا اور گلا کھنگارا۔ ہانیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

''جی نہیں! آپ بالکل بھی ٹھیک نہیں سمجھی اور کون ہیں آپ؟ مس! کیا یہ آپ کے ساتھ ہیں؟'' وہاج کو اسکا یوں بھری دکان پر اسے جیجو کہنا ذرا بھی نہ بھایا۔ عجیب بدتمیز لڑکی تھی۔

''ایسا نہیں ہے۔ آپ سچ مچ ہمارے ہونے والے بہنوئی ہیں۔ اچھا چلیں آپ کو یقین نہیں نا تو یہ دیکھیں۔ آپ کی شادی ہونے والی ہے ہماری ہانیہ سے۔ عجیب لوگ ہیں آپ دونوں۔ ابھی تک ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہیں ہوا۔'' ان دونوں نے ایک پل کو ایک دوسرے کو دیکھا اور بے اختیار لاحول پڑھا۔ حاجرہ نے سکرین اسکے سامنے کی مگر وہ عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس لڑکی کو مزید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

''خدا کا خوف کرو حاجرہ! مروانا ہے مجھے۔ پہلے کیا کم میری بے عزتی ہوئی ہے اسکے سامنے۔ تم مزید کوئی کسر نہیں چھوڑ رہی۔'' ہانیہ کا بس نہ چل رہا تھا کسی طرح زمین پھٹتی اور وہ اس میں سما جاتی۔

''بکواس نہیں کرو! میں ابھی ثابت کرتی ہوں۔ آنٹی سفینہ کا نمبر آ چکا ہے میرے پاس۔

وہی کچھ کریں گی اب۔" اسکی بولتی بند کرتے اس نے کسی کا نمبر ملایا اور اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

"جہنم میں جاؤ تم میری طرف سے! ذلیل کہیں کی۔" وہ تماشوں سے بچتی تھی اور تماشے کسی پرانے عاشق کی طرح اسکا پیچھے کرتے تھے۔ پاؤں پٹختی وہ دکان سے ہی باہر چلی گئی۔

چند لمحے گزرے حاجرہ کی مخالف سمت سے بات ختم ہوئی اور کال کٹنے کے آدھا منٹ بعد حاجرہ نے خود سنا وہاج کا فون بیپ کیا تھا۔ زبان دانتوں تلے دباتی وہ اسکے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ ابھی یہ شکر تھا کہ یہ دکان خاصی بڑی تھی۔ کچھ لوگ اسکی طرف دیکھ تو رہے تھے مگر اپنے کام میں مگن بھی تھے۔ عین وہاج کے پیچھے کھڑی وہ اسکے ری ایکشن کا انتظار کر رہی تھی۔ دکاندار اس عجیب لڑکی کو عجیب ہی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"یہ لڑکی پاگل ہے؟" کسی کا تبصرہ وہاج کے کانوں میں پڑا۔ موبائل جیب سے نکال کر اس نے سکرین آن کی۔ کچھ تصویریں تھیں جو ڈاؤنلوڈ ہونے میں وقت لے رہی تھیں۔ کسی احساس کے تحت اس نے اپنے پیچھے دیکھا اور تاسف سے آنکھیں بند کر کے لمبی سانس خارج کی۔ کچھ لوگ ناقابل برداشت، ناقابل بیان اور دنیا کے سارے ناقابل جملے اپنے ساتھ جوڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بھی انہی میں سے ایک تھی۔

وہاج کے مڑنے پر اس نے بتیس کے بتیس دانتوں کی نمائش کی۔ دوسری طرف شیشے کے پار دیکھتی ہانیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لیتی۔ اسے پتا تھا حاجرہ کس قسم کی پٹاخہ لڑکی تھی اور پھر بھی اسے ساتھ لے آئی تھی۔ بتیسی کی برقرار رکھے اس نے وہاج کے ہاتھ میں پکڑے فون کی طرف اشارہ کیا۔

"جی؟" شاید وہ پاگل تھی یا ذہنی طور پر تھوڑی سی انسٹیبل۔ اس نے اپنے لہجے میں حتی

المقدور نرمی لائی۔ اب وہ ایسا بھی ظالم نہ تھا کہ کسی پاگل کو یوں بے عزت کرتا۔

حاجرہ کا اشارہ اسکے فون کی طرف تھا اور جیسے ہی حاجرہ کو دیکھتے ہوئے اسکا سوال سمجھتے سکرین کی طرف دیکھا تو ایک پل کو وہ بھی حیرتوں کے سمندر میں گر گیا۔ سامنے ہانیہ کی تین چار تصویریں تھیں۔ دو ڈاؤنلوڈ ہو رہی تھیں مگر جو باقی آئی تھیں وہ ہانیہ کی ہی تھیں۔ ساتھ سفینہ بیگم کا ایک وائس نوٹ بھی تھا۔ پلے کرتے ہی معلوم ہوا کہ وہ ہانیہ یہ ہانیہ تھی۔ مطلب وہ ہانیہ جو اسکی ہونے والی بیوی تھی، وہ یہ ہانیہ تھی جو اسکی رہ چکی سٹوڈنٹ تھی۔ خیر اسکی یونیورسٹی میں تھی سٹوڈنٹ تو نہیں تھی۔ چند پل اسے یقین کرنے میں لگے تھے۔ قدرت کے اس عجیب اتفاق پر اور جب یقین کی مہر لگی تب تک حاجرہ نان سٹاپ شروع ہو چکی تھی۔

”دیکھا۔ میں نے کہا تھا نا کہ میں جانتی ہوں آپ کو، اور آپ تھے کہ باتیں سنائے جا رہے تھے۔ میری سنی ہی نہیں۔ اوپر سے وہ ہانیہ! اسے تو بس موقعہ ملنا چاہیے مجھے ذلیل کرنے کا۔ ویسے ایک بات ہے۔ ارے۔۔۔ کہاں جا رہے ہیں آپ؟ میری بات تو سنیں۔“

حاجرہ کی نان سٹاپ رام کتھا سے اکتا کر اس نے قدم باہر کی طرف بڑھائے۔ مگر جونہی ہانیہ پر نظر پڑی وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہاج کو سمجھ نہ آئی کیسے اس سے رشتے کی بابت سوال کرے یا کس طرح اس سے پوچھے کہ وہ وہی لڑکی تھی جس سے اسکا رشتہ طے ہوا تھا اور چند دنوں میں نکاح تھا۔

ہانیہ اپنے اندر ہمت مجتمع کرتی اسکی طرف بڑھی۔ ظاہری بات تھی وہ وہاج کا خیال بھی اپنے دماغ میں نہ لا سکتی تھی۔ اب جو رائتہ حاجرہ نے پھیلایا تھا اسے سمیٹنے میں ہی عافیت تھی۔ ورنہ جیسے ہی یونی جاتی کوئی نہ کوئی بلنڈر پھر اسکا منتظر ہونا تھا۔

”سر! آئم رئیلی سوری۔ حاجرہ کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔ وہ بہت زیادہ باتونی

ہے۔ سم ٹائمز کسی کی سنے بغیر ہی اپنی طرف سے کہانی گھڑ لیتی ہے اور پھر اس پر ری ایکشن دے دیتی ہے۔ ایم سوری پلیز۔" ہانیہ کو سمجھ نہ آئی کیسے معافی مانگے مگر پھر بھی اس نے مانگ لی۔ ایسی شرمندگی وہ نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔

"آپ کی شادی کہاں ہو رہی ہے؟" وہاج نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ چہرے پر ہیجان سا تھا۔ جسے شاید وہ سمجھ نہ پائی۔

"جی؟" ہانیہ نے حیرت و الجھن سے اسے دیکھا۔

"آئی مین کیا آپ کا رشتہ ریلیٹوز میں ہوا ہے؟" وہاج خود کو بڑی آکورڈ صورتحال میں گھرا محسوس کر رہا تھا۔

"جی میرے ننھیال کی طرف۔" آہستگی سے جواب دیا کہ وہاج بمشکل سن پایا۔

"اپنے فیانسی کو دیکھا ہے آپ نے؟" وہاج کے سوال پر ایک پل کو وہ سٹپٹا سی گئی۔ کیا جواب دیتی۔ ابھی تک موصوف کو دیکھا ہی نہ تھا۔ دوسری طرف اس ساری صورتحال میں اب آکر اسکے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ آئی۔ جسے دبا کر اس نے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا جو کہنے کو اسکے نکاح میں آنے والی تھی مگر جانتی ہی نہ تھی۔

"نہیں سر! میرا مطلب ہے جی، میں نے دیکھا ہوا ہے۔" وہ اپنا اعتماد کھو رہی تھی۔ دیکھا ہوا کہاں تھا منگیتر کو۔ وہ تو پورا نام بھی نہ جانتی تھی اسکا۔ محض یہ پتا تھا کہ اسکا نام وہاج تھا اور وہ لاہور سے تھا۔ اب ایسا تو نہیں تھا نا کہ لاہور میں وہاج نامی ایک ہی شخص ہو۔ اس نے اپنے دل میں یہ بات آنے ہی نہ دی۔

"اوہ! اچھا!" اپنے بھرپور قہقہے کا گلا گھونٹتے ہوئے وہ بول رہا تھا۔

"جی۔" وہاج کی طرف دیکھنے سے وہ گریز ہی برت رہی تھی۔ اگر دیکھ لیتی تو شاید وقت

سے پہلے ہی ساری گتھیاں سلجھ جاتیں۔

''اچھا چلیں اب آپ کی تو شادی ہونے والی ہے۔ ایسا کرتے ہیں ایک کپ چائے ساتھ پیتے ہیں۔'' چھوٹتے ہی اس نے آفر کی۔ نجانے کیوں مگر اب صورتحال اسے لطف دے رہی تھی۔

ہانیہ ایک پل کو سٹپٹائی۔ کہاں تو بے عزت کر رہا تھا، اور اب چائے کی آفر۔ لیکن حاجرہ کے پھیلائے رائیتے کو سمیٹتی وہ کچھ بھی نوٹس نہ کر پائی۔ اسکے سامنے صرف اس وقت اسکی یونیورسٹی کا ڈین کھڑا تھا، وہ نوجوان تھا، خوبصورت تھا، وجاہت سے بھرپور تھا، مگر یہ چیزیں اسکے ادب میں حائل نہ ہوسکیں۔ اسکے سامنے صرف اس وقت اسکا استاد تھا۔

''جی جی سر، ضرور۔۔۔ کیفے اس طرف ہے۔''

وہ یونیورسٹی کا ڈین تھا اور ایک عزت دار مرد۔ چائے کی آفر کیسی تھی اسکی گہرائی میں وہ جا ہی نہ سکی۔ نرم سی مسکراہٹ لیے وہ کیفے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاج بھی اسکے پیچھے پیچھے چل دیا۔ واپسی پر وہ کچھ دیر حاجرہ کے پاس کھڑا اسے کچھ کہتا رہا اور پھر دور سے ہی ہاتھ ہلا کر اسے الوداع کرتا باہر چلا گیا۔ ہانیہ کو اب کہ سمجھ نہ آئی کیا رسپانس دے۔ بس مسکرا کر سر ہلا دیا۔

☆......☆......☆

شام کو بیٹھی وہ وہاج کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ آج پہلے تو اسے احساس ہی نہ ہوا مگر بعد میں کچھ تھا جو اسے مشکوک لگ رہا تھا۔ وہاج ارتضیٰ جتوئی کا اس قدر مہربان لہجہ وہ بھی یوں کسی بھی راہ چلتے سٹوڈنٹ کے ساتھ۔ عجیب تھا۔ اس بات کا احساس اسے ہو ہی نہ سکا۔ یونیورسٹی میں تو ہزاروں لڑکیاں تھیں اور راہ چلتے اکثر کوئی نہ کوئی سٹوڈنٹ مل ہی جاتا ہے۔ عموماً کوئی بھی استاد یوں خود آ کر نہیں ملتا، بلکہ ہمیشہ سٹوڈنٹس کو ہی ملنے جانا پڑتا ہے۔ ان چیزوں کا

احساس شاید اسے نہ ہوتا، مگر واپسی پر حاجرہ نے اسے جیسے چھیڑا، بات بات پر چڑایا۔ وہ صحیح معنوں میں الجھ کے رہ گئی۔

"مطلب وہ ہر راہ چلتی لڑکی سے یونہی ملتے ہیں؟ یونی میں تو ہزاروں لڑکیاں ہیں، سر کو ٹائم کیسے مل جاتا ہے ہر کسی کے ساتھ چائے کافی پینے کا۔" اپنی سوچوں میں غرق وہ ہلکے ہلکے بڑبڑا بھی رہی تھی۔

"کیا سر کوئی ایسے ویسے انسان تو نہیں؟ اللہ اللہ۔ اگر سر واقعی کوئی ایسے ویسے ہوئے تو؟ نہیں نہیں! ایسے نہیں ہو سکتا اور اگر ہو بھی تو میری نیت تو صاف تھی نا۔ اللہ جی۔۔۔ کیا مصیبت ہے۔ اگر کوئی مجھے دیکھ لیتا تو کیا سوچتے؟" سر پکڑ کر وہ بیٹھ گئی۔ یہ جانے بغیر کہ اسکی نیم سرگوشیاں دروازے پر کھڑی حاجرہ تک بخوبی جا رہی تھیں۔

"کیا سوچنا تھا بہن، زیادہ سے زیادہ کیا کرتے، جہاں ایک ہفتے تک نکاح کرنا تھا وہی آج ہو جاتا۔ سمپل۔" گرم گرم پاستے کی پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اسکے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھی۔

"تم اپنی بکواس بند ہی رکھو تو اچھا ہے۔ ذلیل لڑکی! مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تم نے۔ کیا سوچتے ہونگے وہ؟ اللہ جی۔" ایک بار پھر حاجرہ کی شکل دیکھ کر اس نے سر پکڑ لیا جبکہ حاجرہ بذاتِ خود اسکی شکل پر بجتے والے بارہ سے محظوظ ہو رہی تھی۔

"دیکھو! اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ مجھے کیا پتا تھا وہ تمہاری یونی کے ڈین ہیں اور اتنے ینگ ڈیشنگ اور ہینڈسم ڈین بھلا کون رکھتا ہے یار؟ اگر وہ کمیٹڈ نہ ہوتے تو میں نے تو جانے نہیں تھا دینا قسم والی بات ہے۔" حاجرہ بھرپور اشتیاق سے اسے اپنا حالِ دل سنانے لگی۔

"چپ کرو خدارا، چپ کرو! تمہیں اللہ کا واسطہ ذلیل عورت۔۔" ہاتھ جوڑ کر اسے چپ

رہنے کی التجا کر رہی تھی کہ ایک دم فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دونوں نے حیرت سے سائیڈ ٹیبل پر پڑے فون کو دیکھا۔ وہاج کا نام اور نمبر جگمگا رہا تھا۔ یہ نمبر اس نے کچھ ماہ قبل ہی سیو کیا تھا۔ جب اسکی رجسٹریشن میں مسئلہ بنا تو دستخط کے لیے ڈین کا نمبر سیو کرنا پڑا۔ چونکہ ان دنوں ہانیہ کی سمسٹر بریک تھی اور اسی بریک میں اسکی رجسٹریشن میں کچھ مسائل آرہے تھے اور وہاج ایک مصروف ترین انسان تھا۔ بہت کم آفس میں ملتا۔ ایک دن اسکا تیسرا دن تھا خجل خوار ہوتے اور تیسرے دن بھی وہ نہ آیا تھا تو اس نے تھک ہار کر پی اون سے اسکا نمبر لے لیا۔ وہ بیچارہ ہانیہ کی خجل خواری کا عینی شاہد تھا۔ بغیر کسی تردد کے دے دیا۔ اور آج جب اس نمبر سے کال آئی تو ہانیہ کو لگا جیسے دل حلق کو آگیا ہو۔ ایک دم وہ شاکڈ سی سکرین کو دیکھے گئی۔ حاجرہ مسکراہٹ دباتی دبے پاؤں باہر چلدی۔

"حاجرہ! یار کیا کروں؟ سر اس وقت کال کیوں کر رہے ہیں؟" بداعتمادی اور بدحواسی حد سے سوا ہو رہی تھی۔ مدطلب نظروں سے حاجرہ کو دیکھا تو وہ دروازے پر کھڑی ملی۔

"ہوسکتا ہے کوئی دل کی کرنی ہو!" ذومعنی الفاظ میں کہہ کر وہ رکی نہیں بلکہ دروازہ بند کرتی یہ جا وہ جا ہوئی۔ ہانیہ نے فون ہی سائلنٹ کر دیا۔

"اب کریں کال! عجیب انسان۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ منہ تک کمبل لپیٹ کر سوگئی۔

☆......☆......☆

دن بہ دن اسے وہاج ارتضٰی کی کالز موصول ہونے لگیں۔ ایک دو دفعہ اس نے رسیو کیں لیکن اسے عجیب سا لگا تھا یوں بات کرنا سو اس نے ایک دن باقاعدہ کہہ بھی دیا۔

"سر! میں آپ کی یونیورسٹی سٹوڈنٹ ہوں۔ اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ آپ کا جب دل کرے گا آپ مجھے کال کر کے تنگ کریں گے۔ آئندہ سے مجھے کال کرنے کی زحمت مت

کیجئے گا۔" بڑی رکھائی سے اس نے ہری جھنڈی دکھائی۔ دوسری طرف بھی شاید اسکا لہجہ ذرا نہ بھایا گیا تھا جبھی تو چند پل خاموشی سی چھا گئی تھی اور پھر بنا کچھ کہے کال ڈسکنیکٹ کر دی گئی۔

ہانیہ کا میٹر گھوما۔

"عجیب سڑیل قسم کا انسان ہے۔ یونیورسٹی میں ذلیل کر کے رکھ دیا تھا اور اب ہے کہ جان ہی نہیں چھوڑ رہا۔ بدتمیز کہیں کا۔" فون بیڈ پر پھینک کر وہ نیچے اماں کے پاس آ گئی۔ جو نوکروں کو ہدایت کر رہی تھیں۔ ایک نظر اسے دیکھ کر دوبارہ کام میں لگ گئی۔ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھی رہی۔ اسی اثناء میں اماں کو کسی کا فون آ گیا۔ قوی امکان تھا کہ مخالف سمت اسکے سسرال والے تھے۔ باتوں سے اسے یونہی لگا۔ چائے کے گھونٹ اندر اتارتے ہوئے کان اسکے اماں کی طرف لگے ہوئے تھے۔

"چلیں ٹھیک ہیں۔ میں بات کرتی ہوں۔ آپ فکر نہیں کریں آپا۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ جی جی! اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔" بات کا اختتام نا جانے کیوں اسے اپنی طرف ہوتے لگا۔ جیسے ہی فون کال ڈسکنیکٹ ہوئی اسے لگا جیسے اب اماں اسے بلانے والی تھیں اور یہی ہوا۔

"کیا کہا ہے تم نے وہاج کو؟" فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہی وہ اس پر چڑھ دوڑیں جبکہ ہانیہ ایک دم حیران ہوئی۔

"جی؟ میں کیوں کہنے لگی انہیں کچھ۔" اسے سمجھ نہ آئی کیا جواب دیتی الٹا سوال کر دیا۔

"فون آیا تھا تمہاری ہونے والی ساس کا۔ تم نے وہاج کو کچھ کہا ہے نا؟" کینہ توز نظروں سے وہ ہانیہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ ہانیہ الجھن کا شکار انہیں دیکھنے لگی۔

"دیکھو بیٹا! شادی کچھ دنوں تک ہو ہی جانی ہے۔ اگر وہ بات کرنا چاہتا ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟" انہیں اپنی بیٹی پر پورا یقین تھا کہ اسی نے کچھ کہا ہو گا یقیناً۔ ورنہ وہاج تو بڑا

سیدھا سادہ بچہ لگا تھا۔

"اماں! کس وہاج کی بات کر رہی ہیں آپ؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھی۔ یہ سب کیا چل رہا تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کتنے وہاج ہیں جنہیں تم جانتی ہو؟" ندرت بیگم نے دانت پیستے کہا۔

"اماں! ہاں ٹھیک ہے میری بات ہوئی تھی۔ مگر مجھے سر وہاج ارتضٰی جتوئی کی کال آئی تھی۔ جو کہ ہماری یونیورسٹی کے ڈین ہیں۔ انکا کیا تعلق میرے منگیتر سے؟" وہ الجھن کا شکار تھی۔ سمجھنے سے قاصر، جبکہ ندرت بیگم کا دل کیا کہ اپنا سر پیٹ لیتیں۔

"کیونکہ تمہارے سارے تعلق اسی سے جڑنے والے ہیں بیوقوف!" اماں کا دل چاہ رہا تھا اسے دو چار لگا دیتیں۔ جبکہ ہانیہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اسے لگا پوری چھت اس پر آن گری تھی۔ حیرتوں کے سمندر میں اسے دھکیل دیا گیا۔ تو کیا مطلب وہ وہاج جو اسکا منگیتر تھا وہی وہاج ارتضٰی بھی تھا۔ یعنی کل ملا کر وہاج ارتضٰی ہی اسکے منگیتر تھے۔ ہائے اللہ!

"ڈونٹ ٹیل می اماں! کیا جو میں سوچ رہی ہوں وہ سچ ہے تو؟"

کیا ایسا واقعی تھا۔ اگر یہ سچ تھا تو؟ اس سے آگے وہ سوچ ہی نہ سکی۔ فوراً اٹھ کر اماں کے پاس صوفے پر جا بیٹھی۔

"اماں! آپ پلیز کہہ دیں نا کہ یہ جھوٹ ہے۔۔۔ جھوٹ ہے نا؟" بڑی لجاجت سے کہا۔ مگر دوسری طرف اماں اسکی حرکتیں دیکھ کر بس اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"اسی لیے کہتی تھی کہ ایک دفعہ موا منگیتر دیکھ لو! مگر نہیں، ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ تمہیں نیک پروین بننے کی سوجھی اور دیکھو نقصان بھی اپنا ہی اٹھایا۔ اب پیچھے ہٹو! مجھے کچن کا حال دیکھنے دو۔ آ رہا ہے وہ تمہارے باپ سے ملنے۔"

ہانیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لیتی۔ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ بے بسی سے بیٹھی رہی۔

☆......☆......☆

نجانے اس نے اماں اور ابا سے کیا کہا کہ چھوٹتے ہی اسے ڈرائنگ روم میں بلوا لیا گیا۔ جہاں پوری محفل جمی ہوئی تھی۔ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق اس نے اپنے سوٹ کے ساتھ کی چادر اچھی طرح سے لی اور ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''حاجرہ! میرا دل بند ہو رہا ہے یار۔ کیا کروں؟'' دروازے کا ہینڈل پکڑ کر چھوڑ دیا اور اپنے ساتھ کھڑی حاجرہ کو دیکھ کر ترلوں پر آ گئی۔ جبکہ حاجرہ کا دل کیا ایک فلک شگاف قہقہہ تو ضرور لگاتی۔ اسے جس قدر ہنسی اس پر آ رہی تھی اسکا اللہ ہی جانتا تھا۔

''میری جان! ایسا دل بند ہو جاتا تو میں بھی ڈیز رو کرتی ہوں۔ مگر کیا کروں۔ ایسا حسین اتفاق کبھی میرے ساتھ نہیں ہوا'' وہ بیچارگی کی تصویر بنے اپنا رونا رونے لگی۔ جبکہ ہانیہ جو دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی کہنی اسکے پیٹ میں مار دی۔

''دفعہ ہو ذلیل لڑکی! میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تمہیں مذاق کی سوجھ رہی۔ اللہ جی بچا لینا پلیز۔'' دل میں شیطان سے پناہ مانگتی وہ اپنے اندر ہمت مجتمع کرنے لگی۔ اس سے قبل کہ خود کو حوصلہ دے کر دروازہ کھولتی پیچھے تکلیف سے دہری ہوئی حاجرہ جب کھڑی ہوئی تو ایک دم آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا اور خود پیچھے ہٹ گئی۔

''جیسے کو تیسا۔''

اب حالات یہ تھے کہ دروازہ کھل چکا تھا اور ہانیہ دوپٹہ لپیٹے، دروازے کے بیچ و بیچ کھڑی تھی۔ اندر بیٹھے تمام افراد کی نظر اس پر پڑی۔ ایسی افتاد پر سبھی نے مڑ کر دروازے کی سمت دیکھا۔ وہاج بھی بالکل سامنے بیٹھا ہوا تھا اور غضب خدا کا وہ دیکھ بھی اسی کو رہا تھا۔ ہانیہ نے

تھوک نگلا اور سر کے اشارے ہلکی آواز میں سلام کیا۔ جسکا جواب نہایت ہی نرمی سے موصول ہوا۔ سفینہ بیگم آگے بڑھیں اور اسے خود سے لگا کر خوب سارا پیار کیا۔

''میری بیٹی تو بڑی پیاری ہے۔ کیسی ہو میری جان؟'' ان کا انداز محبت بھرا تھا۔ ہانیہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ مسکرا کر سر جھکا دیا۔ مشرقی لڑکیوں کی یہی تو زبان ہوتی ہے۔ وہ اپنے دل کی بات کہنا بھی چاہیں تو لوگوں کا خلوص بھرا لہجہ ہی انہیں روک دیتا ہے۔ کافی دیر وہ لوگ بیٹھے رہے۔ باتوں کا سلسلہ ایسا شروع ہوا کہ دوپہر کے بارہ سے شام کے چار بج گئے۔ اسی دوران کھانا بھی کھایا گیا۔ چائے سے لطف اندوز ہوتے اچانک سفینہ بیگم کو نجانے کیا سوجھی کہ فوراً بول دیں۔

''ابراہیم! بچے تو جانتے نہیں تھے ایک دوسرے کو۔ یہی وجہ تھی کہ ہانیہ کو بھی غلط فہمی سی ہو گئی۔ غلطی ہماری بھی ہے۔ میں پرانے زمانے کی بڑھیا ہرگز نہیں ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ انہیں دو منٹ اکیلے میں بات کرنے دو تا کہ کوئی غلط فہمی ہو تو دور ہو جائے۔'' سفینہ بیگم بزرگ خاتون تھیں اور انکی طرف سے ایسی فرمائش۔ یقیناً انہوں نے کچھ سوچ کر ہی کہا ہوگا۔ ابراہیم چند پل چپ رہنے کے بعد بول اٹھے۔

''آپ ہماری بزرگ ہیں آپا! میرے لیے دونوں بچے برابر ہیں۔ اگر آپ کہتی ہیں تو بچے باہر باغیچے میں چہل قدمی کر لیں۔'' ابراہیم پاشا نے عقیدت سے کہا۔ ندرت نے بھی خاموش مگر مسکرا کر اپنی رضامندی دی تو سفینہ بیگم کھل اٹھیں۔ دونوں خاندان عزت و وقار کو اہمیت دیتے تھے۔ انکے ہاں بیٹیوں کو بھی وہی مقام حاصل تھا جو بیٹوں کا تھا۔

''جاؤ بیٹا!'' ابراہیم پاشا نے ہانیہ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا جہاں صاف صاف نفی کے آثار تھے۔ جو کہ یقیناً وہاج سے چھپے ہرگز نہ رہے۔ ہانیہ جب ڈھیٹ بنی بیٹھی رہی تو وہاج خود

اٹھ کھڑا ہوا۔
"چلیں؟" یک لفظی سوال تھا۔ ہانیہ زہر کا گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہاج کے آگے آگے قدم اٹھاتی باغیچے میں پہنچ گئی۔ بہت خوبصورتی سے ہر پودے کو تراشا گیا تھا۔ شام کا وقت ہونے کو تھا۔ غروبِ آفتاب کا وقت تھا۔ چھوٹے چھوٹے گملوں میں سجائی گئیں فیری لائٹس جلائی گئیں تو یوں لگا جیسے تارے زمین پر آ گئے ہوں۔ باغیچے کے درمیان ٹیبل کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ وہاج ایک کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔
"توبہ ہے۔ تھک ہار کر تو ایسے بیٹھے ہیں جیسے پورے گاؤں کی کھیتی باڑی کر کے آئے ہوں۔ ہونہہ!" یہ سب وہ دل میں ہی سوچ سکی۔ زبان سے کہنا اسے اچھا نہ لگا تھا۔ موصوف کہیں برا نہ مان جاتے۔
"اگر میرا جائزہ لے چکیں تو بیٹھ جائیں اب۔" جب وہ چند منٹ کے بعد بھی نہ بیٹھی تو وہاج نے گلا کھنگارتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ وہ تو شاید ابھی اسی صدمے میں تھی کہ وہ کون تھا اور کیا بننے والا تھا۔ بعض اوقات اسے یونیورسٹی میں کہیں نظر بھی آ جاتا مارے احترام کے سٹوڈنٹس کو سلام کرنا پڑ ہی جاتا ہے بھئی۔ مگر نہیں! وہاج ارتضٰی تو اس قدر مغرور انسان تھا کہ کبھی سلام کا جواب بھی نہ دیا تھا۔ ایک وقت پر وہ جسے سڑیل اور مغرور انسان کے لقب سے نوازتی تھی آج اسی کے ساتھ بیٹھی اسکی شخصیت کو جاننے کیلئے آئی تھی۔ ہائے اس شخص کی شخصیت کا اچار ڈالنا ہے مجھے؟ اس گھمنڈی انسان سے شادی ہوگی میری۔ سارا جائزہ لیتے وقت وہ بڑبڑا رہی تھی اور اسکی بڑبڑاہٹ اور گہری سوچ میں غرق آنکھیں سیدھی وہاج کے اوپر ٹکی ہوئی تھیں۔
وہ وہاج کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھی اور دل ہی دل میں صلواتیں پڑھ رہی تھی۔
"ہانیہ! خیریت ہے۔ اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو ہم بات کر سکتے ہیں۔" وہاج اسکی نظروں

سے عاجز آ کر بول ہی اٹھا۔ کیسی لڑکی تھی وہ؟ ایک تو بنا پلک جھپکے دیکھے چلی جا رہی تھی اور اوپر سے کچھ بول بھی نہ رہی تھی۔ اسکی آواز پر ایک دم جیسے اسے ہوش آئی۔

''میں آپ کو تو نہیں دیکھ رہی۔ میں تو کچھ سوچ رہی تھی۔'' اس نے بات کو سنبھالنا چاہا۔

''اچھا! مجھے دیکھ کر سوچ رہی تھیں۔ پھر کیا سوچا آپ نے؟'' مسکراہٹ دبائے وہ بولا۔

ہانیہ چند پل خاموش رہی اور پھر جلدی سے آ کر وہاج کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور کہنیاں میز پر ٹکاتے دلچسپی سے بولنے لگی۔

''سر دیکھیں! آپ تو ہمارے ڈین ہیں نا اور یونیورسٹی کے ڈین سے کون شادی کرتا ہے بھلا؟ میرا اور آپ کا کیا میچ۔'' اسے لگا شاید وہ اس طرح مسئلے سے نکل آئے گی۔ جبکہ مخالف کوئی خاص اثر نہ ہوا۔

''یہ کوئی خاص وجہ نہیں شادی سے انکار کی۔''

''لیکن آپ مجھ سے بہت بڑے ہیں۔''

''انتیس سال میری ایج ہے اور آپ فی الوقت ایم ایس کر رہی ہیں سائیکولوجی میں۔ اس حساب سے آپ کی عمر لگ بھگ چوبیس پچیس کے آگے پیچھے ہے تو یہ زیادہ فرق نہیں ہوا۔ کچھ اور سوچیں۔'' وہاج ٹیک لگا کر بیٹھ بیٹھا۔

''جو بھی ہے مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔'' ہانیہ اس شخص کے سامنے کبھی بھی سرنڈر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نجانے کیوں مگر ایک بیر سا تھا اسے اس شخص سے۔ یا شاید جو اس نے اس عزت افزائی کی تھی وہی نہ بھولی تھی۔ اگر جو اس سے شادی ہو جاتی تو وہ تو چلتی پھرتی ساس تھا۔

''تو کس سے کرنا چاہتی ہیں آپ، غضنفر سے؟'' سرد طنزیہ لہجہ تھا۔ ہانیہ نے کھا جانے والی

نظروں سے اسے دیکھا۔

''شٹ اپ۔'' غصے میں اسے سمجھ نہ آئی کہ کیا کہتی۔ مگر جو کہا کہتے ہی منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہاج سرد نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''کبھی تمیز سے بات کرنے کا اتفاق نہیں ہوا آپ کو؟'' ابرو اٹھا کر اس نے بڑے ٹھنڈے انداز میں کہا۔

''آپ صرف منگیتر ہیں، نکاح تک نہیں ہوا اور کسی اور کا نام لے کر طنز کر رہے ہیں۔'' اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے وہ بولی۔ وہاج نے گہرا سانس بھرا۔

''ایم سوری۔''

''یہی چیز۔ ہماری مینٹیلیٹی نہیں ملتی۔ ہر بات پر اختلاف رشتوں کو خراب کر دیتا ہے۔'' ہانیہ سنجیدگی سے بولی۔

''یہ اختلاف نہیں تھا۔ محض ایک چھوٹی سی بات تھی جو مجھے نہیں کہنی چاہیے تھی۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ ہانیہ تذبذب کا شکار ہوئی۔ اتنی جلدی غلطی کون مانتا ہے بھلا۔

''پھر بھی۔۔۔ آپ یونیورسٹی والا سارا واقعہ دیکھ چکے ہیں اور کسی حد تک مجھے مشکوک کردار کی بنا پر اپنی یونیورسٹی سے نکال چکے ہیں۔ اب اچانک یہ سب۔'' وہ قصداً کہنے سے کترائی۔ نکاح کا نام اسکے سامنے لینا اسے تھوڑا سا آکورڈ لگا۔ جبکہ وہاج زردسی روشنیوں میں اسکے چہرے کو دیکھ رہا تھا ایک کڑوا سا گھونٹ پی کے رہ گیا۔

''میرا خیال ہے یہاں میں ڈین کی حیثیت سے نہیں، آپ کے ہونے والے شوہر کی حیثیت سے بیٹھا ہوں۔'' اس نے جیسے یاددہانی کروائی۔

''ہونے والے شوہر اور ہو چکے شوہر میں بڑا فرق ہوتا ہے سر۔'' ایک تو اسکا بات کرنے کا

انداز۔دوسرا بات بے بات سر کی الاپ نے وہاج کو لب بھینچنے پر مجبور کر دیا۔

''آپ ایم فل کر رہی ہیں نا؟'' اس نے ایم ایس کہنے کے بجائے ایم فل پر زور دیا۔

ہانیہ نے الجھن سے اسے دیکھا پھر گردن ہلائی۔

''حالانکہ مجھے لگ رہا ہے میں کسی ٹین ایج لڑکی سے مخاطب ہوں۔ ہر بات کا تڑخ کر جواب دینا اچھی بات نہیں۔''

وہاج کا انداز بڑا نرم سا تھا۔جبکہ الفاظ شاید سخت تھے یا اسے لگے۔

''ہر بات پر کسی پر پرسنل اٹیک کرنا بھی اچھی بات نہیں۔'' وہ واقعی تڑخ کر بولی۔وہاج کا مزاج نجانے کیسا تھا۔مگر اسے اس وقت وہ کہیں سے بھی ایک جینٹل مین نہ لگا۔جیسے وہ یونیورسٹی میں رہتا تھا۔اسے بالکل اسکے متضاد لگا۔اسکی شخصیت میں ایک مقناطیسی کیفیت ضرور تھی، سامنے والا بڑی جلدی اسکے سحر میں آجاتا۔یونہی تو نہیں یونیورسٹی کی کئی ٹیچرز خود اسے رشتے بھجوا چکی تھیں، مگر شاید اسکی ذہنیت مختلف تھی، یا وہ بھی ایک مشرقی مرد تھا۔وہ اندازہ نہ لگا پائی۔مگر بہر حال اسکا پہلا تاثر وہاج ارتضٰی کے بارے میں کچھ اچھا نہ تھا۔

''مجھے لگتا ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔کافی دیر ہوگئی۔''

''جی!'' اسکے کہنے کی دیر تھی کہ وہ فوراً بول اٹھی۔وہاج نے ایک نظر اسے دیکھا، اور یہ نظر قطعی عام نہ تھی۔گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے لبوں پر آئی مسکراہٹ روکی۔

''آپ پلیز ایک دفعہ سوچ سمجھ لیجیے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا تو ناچار اپنی زبان کے ہاتھوں مجبور وہ بول پڑی۔وہاج کی مسکراہٹ سمٹی۔وہ جو پلٹ کر جانے والا تھا مڑ کر اسکے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔گو کہ ہانیہ کا قد اسکے کندھوں تک تھا مگر پھر بھی وہ اسکے سامنے چھپ سی گئی۔

''کوئی کمی ہے مجھ میں، یا کسی اور کو پسند کرتی ہو۔'' اسکی نظریں جیسے ہانیہ کے چہرے سے

ہٹنے کو انکاری تھیں۔ سنجیدگی کے باوجود اسکے چہرے پر ایک نرمی سی تھی۔ شاید کہیں وہ اسے پسند آ چکی تھی۔

ہانیہ نے سر سے لے کر پیروں تک اسے دیکھا۔ کوئی کمی نہ تھی۔ آئس بلو کلر کی کلف لگی شلوار قمیض، نیچے مہنگے جوتے وہ وجاہت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''آپ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ لیکن زبان کے تھوڑے تیز ہیں۔ (وہاج نے ابرو اٹھایا) یوں سمجھ لیں چلتی پھرتی ساس ہیں۔'' اسکی نظروں سے گھبرائے بغیر جب وہ بولی وہاج سہی معنوں میں تپا۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' لیکن اسکے بعد وہ کچھ نہ بولا، خاموشی سے مڑا، ٹیبل سے گاڑی کی چابی، والٹ اٹھایا اور ڈرائنگ روم کی طرف لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ ہانیہ کا دل کیا اپنا سر پیٹ لیتی۔۔ خدارا میں اس قدر بدتمیز تو نہیں ہوں۔ مگر انکے سامنے میری زبان اتنی کیوں چلتی ہے کہ مجھے بار بار پچھتانا پڑتا ہے۔ ہائے اللہ جی۔ وہیں سر پکڑے وہ بیٹھی رہی۔

''اوہ۔ کیا کہا ہے اس کھڑوس کو؟'' حاجرہ نجانے کہاں سے ٹپک پڑی۔ ہانیہ سر جھکائے بیٹھی تھی اسکی طرف دیکھا تو آنکھیں آنسوؤں سے لال انگارہ ہو رہی تھیں۔

''یار مجھے سمجھ نہیں آئی اور غلطی سے شٹ اپ بول دیا ہے۔''

حاجرہ کی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔ جبکہ ہانیہ قصداً اپنی زبان کے جوہر چھپائے، وہ واقعی حیران تھی۔ نہ کبھی دوستی، نہ سلام دعا۔ پھر بھی نجانے کیوں وہ اسکے سامنے بولنے پر آئی تو کوئی کسر نہ چھوڑی۔ حالانکہ یونیوسٹی میں بھی تو وہی وہاج تھا۔ جو جس راستے سے گزرتا ہانیہ اس راستے سے پناہ مانگتی۔ اسے سڑیل قسم کا وہاج ہمیشہ ہی پیارا تو لگا تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ سیدھا شوہر کے درجے پر فائز کر دیا جاتا۔ اپنی ہی سوچوں میں مصروف وہ کراہ کے رہ گئی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو؟ ایسے کلاسی بندے کو شٹ اپ کیسے بول سکتی ہو تم؟" وہ حیرت کے سمندر میں گر رہی تھی۔ یقین کرنا مشکل تھا۔

"یار میری زبان ہی بڑی چلنے لگی تھی انکے سامنے، کیا کرتی نکل گیا منہ سے!" ہانیہ نے ایک پل نہ لگایا اپنی غلطی کا اعتراف کرنے میں۔

"ویسے ایک بات ہے۔ عورت ہر کسی کے سامنے نہیں کھلتی، جس پر اسے یقین ہو اسی کے سامنے اپنا آپ ظاہر کرتی ہے۔ میں نے یہ بات کہیں سنی تھی۔ آج یقین بھی ہو گیا۔ تو بہن مسئلے کا حل یہ ہے کہ ان پر تمہیں یقین تھا اسی لیے تمہاری زبان قینچی کی طرح چلی۔ ورنہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو یقین کے لائق نہ ہوتا، مثال کے طور پر وہ غضنفر، تو تم کبھی بھی اپنی زبان درازی کے جوہر نہ دکھاتی۔" حاجرہ کی اپنی منطق تھی بھئی! کیا کہا جا سکتا تھا۔

"بکو مت۔ ان سے اچھا تو وہ غضنفر ہی تھا۔ یہ پتا نہیں کہاں سے ہر وقت کی تلوار کی طرح لٹکنے میرے سر پر آ گئے۔" ہانیہ ناخن چباتی کہہ رہی تھی۔ یہ جانے بغیر کہ باغیچے کی دیوار کی اوٹ سے گزرتے ابراہیم پاشا اور وہاج ارتضیٰ نے اسکے الفاظ بخوبی سنے تھے۔ ابراہیم پاشا ایک پل کو رک سے گئے جبکہ وہاج جبڑے بھینچے خاموش سا انکے آگے آگے ایسے چلتا رہا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ تھا۔

"ٹھیک ہے چودھری صاحب! نکاح کے دن ملاقات ہو گی۔" مصافحہ کر کے گلے ملتے ہوئے اس نے کہا۔ جبکہ ابراہیم پاشا گہری سوچ میں گم محض مسکرا ہی سکے۔ وہاج نے سفینہ بیگم کو بیک سیٹ پر لٹا دیا۔ زیادہ سفر انکے لیے ٹھیک نہیں تھا۔ نہ انہیں سوٹ کرتا تھا۔ یہ تو کافی دنوں سے سوچا ہوا تھا کہ ہانیہ کیلئے سیالکوٹ کا چکر لگائیں گی اور آج وہاج بھی ساتھ ہو لیا۔ ندرت بیگم اور ابراہیم پاشا انہیں رخصت کر کے ہی واپس لوٹے۔

”ہانیہ کو لے کر میرے کمرے میں آئیں۔“ جیسے ہی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوئی ابراہیم صاحب نے حکم صادر کر دیا۔

☆......☆......☆

چند دنوں میں ہی اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اسکے ستارے اچھے خاصے گردش میں آچکے تھے۔ ابا کا موڈ بھی اس سے کچھ خاص ٹھیک نہ تھا۔ اماں کا رویہ پہلے جیسا ہی تھا۔ ستاروں میں گردش کا احساس اسے اس وقت ہوا جب ایک دن معلوم ہوا کہ اگلے دن نکاح ہے۔ وہاج کی ڈیمانڈ کے مطابق رخصتی ملتوی کر دی گئی تھی، چھ ماہ بعد رخصتی تھی۔ چلو اچھا تھا ایک فیصلہ تو اس کھڑوس نے ٹھیک لیا تھا۔ جب تک اسکا لاسٹ سمسٹر بھی ختم ہو جانا تھا۔

جمعہ مبارک کو نکاح کا انتظام کیا گیا۔ سادگی سے نکاح ہوا۔ ہانیہ نے سفید رنگ کا غرارہ پہنا ہوا تھا۔ جس کی کرتی اور دوپٹہ سفید رنگ کے تھے۔ اوپر سنہری گوٹے کا کام ہوا تھا جبکہ غرارہ کرشڈ گولڈن شمر کا تھا۔ وہاج نے سفید شلوار قمیض پہنی تھی۔ موقع کی مناسبت کے مطابق ہر رسم سادگی سے ادا کی گئی۔ نکاح ہونے کے بعد بھی وہاج نے ہانیہ سے ملنے کی خواہش ظاہر نہ کی۔ رسم کے بعد وہ ابراہیم پاشا اور انکے دوست احباب کے ساتھ ہی بیٹھا رہا۔ ندرت بیگم اور کہیں نہ کہیں ابراہیم پاشا نے بھی وہاج کا سرد رویہ نوٹ کیا۔ وہ ان سے بڑی ملنساری سے ملا تھا مگر کہیں بھی اس نے ہانیہ کیلئے کوئی خواہش ظاہر نہ کی۔ چار بجے کے قریب ان لوگوں نے رخصت لی اور لاہور کے سفر کو نکل پڑے۔ چونکہ سفر زیادہ تھا اس لیے انہوں نے جلدی روانگی کا سوچا۔ ابھی وہ لوگ سیالکوٹ موٹروے پر پہنچے تھے کہ اسکے فون پر ایک ساتھ تین چار میسجز موصول ہوئے۔ پیشانی پر بل ڈالے وہ ڈرائیونگ میں مصروف تھا کہ میسجز پر چونک گیا۔ واٹس ایپ آن کر کے دیکھا تو حاجرہ کے نمبر سے تین چار تصاویر موصول ہوئی تھیں۔ لب بھینچتے

اس نے تصویروں کو ڈاؤنلوڈ ہونے دیا۔ایک ایک کر کے جب ہر تصویر صاف ہوئی تو ایک پل کو وہ رک سا گیا۔ ہر تصویر میں وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ ایک تصویر کو دیکھ کر تو نا چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دیا۔حاجرہ اسکا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی اور وہ پن ہاتھ میں پکڑے ناک چڑھا کر پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی کہ کسی نے اسکی تصویر بنالی۔نرم سی مسکراہٹ اب اسکے چہرے پر جم سی گئی۔ کچھ دیر قبل بھینچے ہوئے جبڑے اب اس وقت ڈھیلے پڑ چکے تھے۔

''پاگل لڑکی!''

☆......☆......☆

نکاح کو ہفتہ ہونے کو تھا۔وہاج کی طرف سے ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ ابا تو ابا اسے بھی تشویش لاحق ہو چکی تھی کہ آیا کہ وہ سچ میں تو نہیں ہاتھ کھینچ چکا۔ بار بار نظر فون پر پڑتی۔اگر کسی کا فون آ بھی جاتا تو ٹھٹک جاتی۔آج بھی ندرت بیگم حاجرہ کے ساتھ بازار گئی تھیں اور ابراہیم پاشا پنچائیت کے سلسلے میں گاؤں سے باہر گئے تھے۔اتنے بڑے گھر میں اکیلی وہ انتہا درجے کی بور ہو چکی تھی۔ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھا کچھ خاص دیکھنے کو نہ تھا۔اپنے کمرے میں آ کر پریم چند کا افسانوی مجموعہ نکالا اور پوس کی رات پڑھنے لگی۔یہ افسانوی مجموعہ اسے مس روبینہ نے دیا تھا۔ پوس کی رات اسکا پسندیدہ افسانہ تھا۔اسکا خیال تھا کہ یہ افسانہ اسے ایک ٹیپکل سی وائب دیتا تھا۔ایک دیسی تاثر ملتا تھا اسے۔ ابھی اسکا پسندیدہ موڑ آیا ہی تھا کہ موبائل کی رنگ ٹون نے اسے چونکا دیا۔ صفحے پر ہی توجہ مرکوز کیے اس نے میز سے فون اٹھایا اور نام دیکھتے ہی ایک پل کو رک سی گئی۔ بلکہ تھم سی گئی۔وال سکرین پر وہاج ارتضی کا نام پوری جان سے جگمگا رہا تھا۔مرتی نہ کرتی کے مصداق اس نے کال ریسیو کی۔ چند پل خاموشی کی نذر ہو گئے۔

''اگر نکاح کا صدمہ اتر گیا ہو تو یونیورسٹی آنا شروع کر دیں، کافی حرج ہو چکا ہے سٹڈیز کا۔'' نہ سلام نہ دعا۔ وہ بولا بھی تو ایسے ہانیہ کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔

''آپ سے مطلب؟ اور میں چھوڑ چکی ہوں پڑھائی۔ نہیں پڑھنا مجھے۔'' اسکا دل کیا وہ سامنے ہوتا تو ڈھیر سارا غصہ کرتی۔ نجانے کیوں!

''پڑھائی چھوڑنا مسئلے کا حل نہیں ہوتا ہانیہ، میں آج انکل سے بات کروں گا، ایک ڈیڑھ ہفتے تک میں باہر جا رہا ہوں۔ تین ماہ کا سٹے ہے میرا اور آپ ایزیلی میرے گھر رہ سکتی ہیں۔'' نرم اور شائستہ رویے سے اس نے ہانیہ کو سمجھانا چاہا۔ باہر جانے کا بھی اس نے اسی لیے کہا تھا کہ شاید وہ کوئی تاثر ظاہر کرتی۔ مگر دوسری طرف تو شاید وہ ناشتے میں کریلے کھا چکی تھی۔

''کرلیں بات! میری کونسا ابھی تک سنی گئی ہے جو اب سنی جائے گی۔ آپ آئے، ابا کو کنونس کیا اور نکاح کر کے چل دیئے۔ میرا پوچھا؟ نہیں نا، تو بس پھر اب بھی اپنی مرضی کریں۔'' کتاب کو ٹھک سے بند کیا اور اسکے اوپر چڑھ دوڑی۔ غصہ تھا کہ ختم ہونے کو نہ آ رہا تھا۔ نجانے کیوں لیکن یہ غصہ اسے لے ڈوبنے والا تھا۔

''ایک بات تو بتاؤ مجھے؟ آخر میں ماضی میں ایسا کیا کر چکا ہوں جو تمہارا غصہ ٹھنڈا ہونے کو نہیں آ رہا، آج ایک دفعہ بتا ہی دو۔'' وہاج اپنا ٹیمپر لوز نہیں تھا کرنا چاہتا مگر ہانیہ کا رویہ اس قدر انسلٹنگ تھا کہ اسکا دماغ ہی گھوم گیا۔

''میں بتاؤں آپ کو؟ آپ نے یہ جو نکاح کیا ہے نا صرف مجھ پر دھونس جمانے کیلئے ایسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ آپ نے سمجھا ہو گا کہ لڑکی کا کردار مشکوک ہے شادی کر کے اس پر احسان کر دیتا ہوں۔ ڈین صاحب کی بیوی بننے کا شرف بھی مل جائے گا اور ڈین صاحب کو ایک عدد نوکرانی بھی۔'' آخر بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔ وہاج نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس قدر

گھٹیا سوچ رکھتی تھی اسکے حوالے سے۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ ہانیہ کو اندازہ ہو گیا۔ وہ خاموش ہو چکا تھا مطلب اب صورتحال اسکے خلاف جانے والی تھی۔ اوہ خدایا۔

"سنیں؟ کچھ کہیں اب چپ کیوں کر گئے، وہاج؟" ڈرتے ڈرتے بھی زبان اپنے جوہر دکھانے سے باز نہ رہی۔ کہنے کو اس نے وہاج کی موجودگی چاہی مگر انداز اور رویہ تھوڑا مختلف ہو گیا۔ کال ڈسکنیکٹ ہو چکی تھی۔

"اوہ اللہ! یہ میں نے کیا کر دیا۔" پیشانی پر ہتھیلی مارتی وہ بے بس سی ہو گئی۔ آخر کیوں وہ ہر دفعہ اسے اپنی زبان درازی کے جوہر دکھا کر نقصان بھی خود اٹھاتی تھی۔ ہاتھ پاؤں میں پسینہ آنے لگا۔

"آج تو پکا ابا اور اماں میری چھترول کر دیں گے۔ اللہ اللہ اللہ! کیا کروں اب؟" کمرے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے اسے سمجھ نہ آئی کہ کیا کرے۔ پھر کچھ سوجھی تو دوبارہ سے کال ملائی۔ مگر جواب ندارد تھا۔ وہ شخص ضرور اب ایسا کچھ کرنے والا تھا جو یقیناً اسکے حق میں نہ تھا۔

☆......☆......☆

شام ہوئی تو اسے بلا لیا گیا۔ حاجرہ دوپہر کو اس سے مل کر جا چکی تھی۔ اسے ہزار ہا کہا کہ مت جائے مگر اسکی بھی سٹڈیز تھیں۔ حرج ہو رہا تھا۔ پہلے ہی بہت چھٹیاں وہ اسکی وجہ سے کر چکی تھی۔ ہانیہ کے ہزار ترلے ٹالتے ہوئے اور دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کرتی وہ چلی گئی۔ نیچے اماں ابا کے پاس گئی تو وہاں سے لاہور جانے کا حکم نامہ ملا اور ساتھ دس ہزار نصیحتیں الگ سے تھیں۔ باری باری ابراہیم پاشا اور ندرت بیگم نے اسے جھڑکا۔ وہ جان چکی تھی وہ چغل خور انسان ساری بات تو نہیں مگر جتنی بھی انہیں سنا چکا تھا وہ یقیناً اسکے خلاف تھی۔ آخر میں اسکے

آنسو چھلک پڑے اور زوروں سے رودی۔ ابراہیم پاشا اٹھے اور اسکے سر پر پیار سے بوسہ دے کر تھپکی دیتے باہر چل دیئے۔ ندرت بیگم اسے کینہ توز نظروں سے دیکھے گئیں۔ مگر بولی کچھ نہ۔ ساری بات کا ایک حل نکلا بلکہ نتیجہ کہنا مناسب ہوگا کہ صبح ہی صبح لاہور سے گاڑی آچکی تھی اسے لینے۔ اماں ابا سے ملتی ملاتی وہ اپنا سامان لے کر گاڑی میں بیٹھی اور لاہور کیلئے روانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

لاہور ڈیفنس میں بنا یہ خوبصورت بنگلہ اپنی خوبصورتی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ عمارت کی خوبصورتی کو آگے بنے باغیچے نے چار چاند لگا دیئے تھے۔ صاف ستھرا علاقہ اور خوبصورت ترین گھر! وہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ اسکا اپنا گھر کسی سے کم تھا۔ مگر اس گھر کے تو ٹھاٹ ہی الگ تھے۔ لبوں کو واؤ کی صورت کھولا۔ ستائشی نظر سے گاڑی سے اترتے ہی اس نے پورے گھر کا جائزہ لیا۔ گھر کی عمارت مین گیٹ سے قدرے فاصلے پر تھی۔ ایک کینال پر محیط یہ خوبصورت گھر کہیں نہ کہیں اپنے مالک کی پسند کو سراہے جانے پر مجبور کر رہا تھا۔

اس نے آج کھاڈی کی ہلکے گلابی رنگ کی قمیض کے نیچے سفید کیپری پہنی ہوئی تھی اور ساتھ قمیض کے ساتھ میچنگ کر نکل دوپٹہ۔۔ لیرز میں کٹے بال اگرچہ جوڑے میں قید تھے مگر چھوٹی چھوٹی لٹیں پیشانی سے گال تک جھوم رہی تھیں۔ ہاتھ میں میٹل کی چوڑیاں پہنے کہیں سے بھی وہ شادی شدہ نہ لگ رہی تھی۔ کھڑکی میں کھڑا وہ اسکا جائزہ لے رہا تھا جو ارد گرد سے بیگانی گھر کو ندیدوں کی طرح دیکھنے میں مصروف تھی۔ سفینہ بیگم نے جب اسے دیکھا تو ان کا دل ایک پل کو بجھ سا گیا مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔ ہانیہ انکے لیے بہت عزیز تھی اور ہانیہ کیلئے بھی وہ بہت زیادہ قابل عزت تھیں۔ وہاج کا کمرہ چھت پر تھا۔ جبکہ سفینہ بیگم خود نیچے رہتی

تھیں۔ انکا کمرہ نیچے تھا۔ کافی دیر باتیں کرنے کے بعد انہوں نے اپنے ساتھ والے کمرے میں اسے آرام کرنے کو بھیج دیا اور پنکی کے ہاتھ اسکا سامان بھی وہیں پہنچا دیا۔

اندر آکر اس نے دیکھا کہ یہ کمرہ اسکے پرانے والے کمرے سے زیادہ پیارا نہ تھا۔ یا شاید وہ اتنی کنجوس تھی کہ وہاج کی پسند کو محض اپنی انا کی وجہ سے داد نہ دے سکی۔ وگرنہ کمرہ تو شاید ہانیہ کے پورے گھر سے زیادہ پیارا تھا۔ بیڈ کے پاس آکر اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ بلکہ شدید ترین جھٹکا لگا تھا۔ بیڈ کی پشت پر، وال پر بڑی سی کر کے اسکی تصویر فریم کر کے لٹکائی گئی تھی۔ اسے تصویر دیکھ کر حیرت تو ہوئی تھی وہ الگ تھا مگر اسے پوز سے اعتراض تھا۔ مارے غصے کے اس نے دانت پیسے، دل کیا وہاج کا سر پھاڑ دیتی۔ یہ اسکی وہی تصویر تھی جو تہمینہ نے اچانک بنائی تھی۔ جب حاجرہ اسکا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی اور وہ ناک منہ چڑھا کر بات کر رہی تھی۔ بڑے ترلے کیے تھے اس نے حاجرہ کے کہ یہ تصویر ڈیلیٹ کر دے مگر نہیں اس نے تو پورے طریقے سے پبلک کی تھی۔ سر جھٹکتی وہ آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اب اسکے گھر میں آکر تو وہ اس سے جھگڑا نہیں کر سکتی تھی۔ آنٹی بھی کیا سوچتیں، کیسی لڑاکو بہو ڈھونڈی تھی انہوں نے۔ کڑوا گھونٹ پی کر اس نے صبر کر لیا اور کمبل سر تک لپیٹ کر سو گئی۔

☆......☆......☆

شام کا کھانا لگوا کر سفینہ بیگم نے پنکی کو اسکے کمرے میں بھیجا تا کہ وقت پر کھانا کھا لیتی۔

جب وہاج نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر انہیں دیکھا تو فوراً بولیں۔

"صبح کی بھوکی ہے میری بچی۔" انکے لہجے میں محبت تھی۔

"فکر نہیں کریں! وہ لوگوں کا دماغ ہی اتنا کھا لیتی ہیں کہ کھانا کھانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔" کل کی اسکی جلی کٹی پر وہ ابھی بھی تپا ہوا بیٹھا تھا۔ اس بات کا تو اسے احساس ہو چکا تھا

کہ ہانیہ ایک الٹے دماغ کی لڑکی تھی۔ جو پہلے اپنی زبان کے جوہر دکھاتی ہے اور بعد میں خود ہی پھنس جاتی ہے۔

"کچھ خوفِ خدا ہے کہ نہیں؟ پہلے گھر بلواتے ہو پھر بے عزت کرتے ہو۔ شرم کرو۔" سفینہ بیگم نے جھڑک دیا جبکہ انکی جھڑک کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوئے اس نے اپنی توجہ نیوز پر کر دی۔

"وہاج آجاؤ۔ ہانی بھی آگئی ہے۔" جیسے ہی وہ آئی اس نے آتے ہی محبت سے اپنا سر انکے سامنے جھکایا۔ سفینہ بیگم نے اسے شفقت بھرا بوسہ دیا۔ ساتھ ہی دور بیٹھے وہاج کو آواز دے دی۔ جو ساری کارروائی اپنی دوگناہگار آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

"بس میری دفعہ یہ عورت انگارے چباتی ہے۔" بڑبڑا کر وہ بھی اسکے ساتھ والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ہانیہ تھوڑی غیر آرام دہ سی ہوگئی۔ بار بار پہلے سے درست دوپٹے کو ٹھیک کرتی، اسکے ہاتھ پاؤں میں تریلیاں سی آنے لگیں۔

"ٹوٹ پینا کدرے ہور نئی سی بے سکدا!" (کہیں اور نہیں تھا بیٹھ سکتا) دل میں اپنی پسندیدہ زبان سے صلواتیں پڑھتی وہ روہانسی ہورہی تھی۔ وہاج پانی کا جگ پکڑتے ہوئے ایک پل کو چونکا۔ ہانیہ کی حالت دیکھی تو نجانے کیوں مگر اسکا دل کیا فلک شگاف قہقہہ لگاتا۔ ضبط کرتے بس کھانسنے پر ہی مجبور رہا۔

"کیا ہوا بیٹا؟ ہانیہ! پانی دو وجی کو۔ آرام سے۔" ہنسی ضبط کرتے اسے واقعی بہت سخت کھانسی ہوئی تھی۔ ہانیہ بھی ڈر سی گئی۔ جلدی سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کی طرف بڑھایا، مگر جیسے ہی اسکی شکل دیکھی۔ جہاں بتیسی چھپاتے چہرہ لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔ ہانیہ کا دل کیا گلاس اسکے چہرے پر انڈیل دیتی بلکہ پورے کا پورا جگ اس پر الٹ دیتی۔ ارے نہیں! بلکہ

پورا ڈائننگ اسکے اوپر الٹ دیتی۔ ذلیل کہیں کا۔ میری حالت سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اللہ پوچھے اماں ابا کو۔ کہاں پھنسا دیا مجھے۔ بھلا اس زمانے میں غیروں کے بیچ اپنی جوان جہان بیٹی کو کوئی یوں تنہا چھوڑتا ہے۔

پانی پلاتے اس نے وہاج کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہانیہ کے دیکھنے پر اس نے بائیں آنکھ ماری۔ ہانیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ حیرت ختم ہوئی تو غصہ ضبط کرتی وہ اس قدر سرخ ہو چکی تھی کہ اگر سفینہ بیگم کی طرف اسکی پیٹھ نہ ہوتی تو یقیناً وہ اسے ہسپتال لے جانے کو کہتی۔

"ذلیل انسان!"

☆.........☆.........☆

صبح کے نو بجنے کو تھے مگر وہ ایسے گدھے گھوڑے بیچ کر سوئی تھی کہ اٹھنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ نجانے ایسا کیا تھا اس گھر میں کہ اسے ذرا بھی اجنبیت کا احساس تک نہ ہوا۔ سفینہ بیگم دو دفعہ پنکی کو بھیج چکی تھیں۔ جب بھی وہ نہ اٹھی تو سفینہ بیگم خود آئیں مگر اسے بچوں کی طرح سوتا دیکھ کر وہ مسکرا کر باہر چل دیں۔ قریباً سوا نو کا وقت تھا جب وہاج یونیورسٹی کیلئے تیار ہو کر نیچے آیا۔ سفینہ بیگم صوفے پر ٹانگیں رکھے لیٹی ہوئی تھیں۔ پنکی انکے پاؤں میں تیل کی مساج کر رہی تھی۔

"ہانیہ چلی گئی یونیورسٹی؟" ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے وہ بولا۔

"بچی تھک گئی ہے۔ میں نے پنکی کو بھیج کر اٹھایا تھا لیکن نہیں اٹھی۔ سونے دو اسے، تھکاوٹ کی وجہ سے آنکھ نہیں کھل رہی اسکی۔" وہیں بیٹھے بیٹھے وہ بولیں۔ وہاج کے ماتھے پر بل پڑے۔

''کیا مطلب؟ سیالکوٹ سے یہاں نیند پوری کرنے آئی ہیں وہ، پہلے ہی سٹڈیز کا نقصان ہو چکا ہے! آپ پہلے یہ بتائیں کون سے کمرے میں استراحت فرمائی جا رہی ہے؟'' کہتے ساتھ ہی وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''وجی! سونے دو بچے اسے! اتنی بھی کیا سختی۔'' انہیں وہاج کا بعض اوقات سخت مزاج ہونا نہ بھاتا تھا۔ حالانکہ انہیں ایک دوسرے کو جانے محض چند ہفتے ہوئے تھے مگر نہ اس دوران ہانیہ کو اجنبیت محسوس ہوئی اور نہ ہی وہاج نے اسے شرمانے لجھانے دیا۔ بلکہ سیالکوٹ سے بلوایا اور آتے ہی پڑھائی کے چکروں میں مصروف کرنا چاہا تا کہ اسے ایسی کسی فضولیات میں پڑنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ اندر نیند میں اسے انکی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ اسے لگا شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی اور خواب میں کوئی آہستہ آواز میں باتیں کر رہا تھا۔ پھر اچانک دھڑام سے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہیں سے سوئچ بورڈ کے سارے بٹن آن کر دیئے گئے۔ کمرے میں لگیں سات لائٹس جب ایک ساتھ جل اٹھیں تو بے اختیار اس نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ وہاج نے وہیں کھڑے دروازے کو زوردار طریقے سے بجایا۔ اس طرح کہ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں کھلیں تو سامنے وہاج اب دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ پورا کوئی فتنہ پرور انسان تھا بھئی۔

''کونسے جنم کا بدلہ لے رہے ہیں مجھ آپ؟'' نیند سے بھری آواز میں اس نے کہا۔ حجاب جو فجر کی نماز کے وقت کیا تھا ڈھیلا پڑ چکا تھا مگر ابھی بھی سر پر تھا۔ وہاج اسے دیکھ کر پرسکون سا ہو گیا۔ بس یہ بدزبانی ختم ہو جائے تو بیوی تو اسے بھی ٹکر کی ملی تھی۔

''آپ کو یہاں استراحت فرمانے کو نہیں لایا۔ یہ کام آپ سیالکوٹ میں بخوبی انجام دے چکی ہیں۔ دس منٹ ہیں آپ کے پاس، اٹھیں اور تیار ہوں۔ آج کسی بھی صورت آف نہیں

کرنا یونیورسٹی سے۔" گھڑی کو دیکھتے ہوئے اس نے حکم صادر کیا۔ ہانیہ نے لب منکائے پہلے آنکھیں ملیں، پھر پاؤں بیڈ سے نیچے لٹکائے اور دو منٹ ایسے ہی ضائع کر دیئے۔

"ہانیہ جلدی کریں، میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا۔" دوبارہ گھڑی کو دیکھ کر وہ بولا اور اسکے کچھ کہنے سے قبل ہی باہر چل دیا۔ قدرت کا بہت حسین اتفاق تھا یہ۔ جس نے سٹک آف کیا تھا وہ خود اسے واپس یونیورسٹی لے کر جا رہا تھا اور وہ بھی پورے استحقاق کے ساتھ۔ ہانیہ نے دل میں اس بات کو سوچا اور دھیرے سے مسکرا دی۔ کل سے ابھی تک یہ پہلی ایک نارمل انسان والی مسکراہٹ تھی۔ وہ تو اپنی مسکراہٹ کو ہی ترس گئی تھی۔

"ہائے اللہ! ایسا جلاد شوہر۔"

☆......☆......☆

یونیورسٹی قریب ہی تھی۔ پونے دس بجے تک وہ لوگ یونیورسٹی پہنچ چکے تھے۔ وہاج نے جمعہ کی مناسبت کے مطابق سیاہ شلوار قمیض پہنی تھی۔ نیچے ہلکے بھورے رنگ کی پشاوری چپل تھی۔ اتفاق ہی تھا کہ ہانیہ نے بھی بریزے کی سیاہ شلوار قمیض پہنی تھی جس کی قمیض پر جا بجا سیاہ ہی رنگ میں کڑھائی تھی۔ دوپٹہ لان کا تھا مگر کہیں کہیں سیاہ پھول بنے ہوئے تھے۔ نیچے ہلکے بھورے رنگ کا پلین کھسہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے جب اسے اس بات کا احساس ہوا تو دانت پیس کے رہ گئی۔ جبکہ مخالف یہ اتفاق نوٹ کر کے پورا راستہ ڈھیٹوں کی طرح مسکراتا رہا۔

جیسے ہی گاڑی یونیورسٹی میں داخل ہوئی اس نے محسوس کیا کہ ہانیہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ گاڑی کو فیکلٹی پارکنگ ایریا کی طرف لے جاتے ہوئے بھی کئیوں کی نظر ان پر پڑ چکی تھی۔ جو حادثہ ایک ڈیڑھ ہفتہ قبل رونما ہوا وہ کسی کو نہ بھولا تھا۔ گاڑی رکی تو جیسے اسے ہوش آئی۔ اس دن جو

ہوا وہ سب دماغ پر اس قدر حاوی ہوا کہ وہ وہاج کی آواز ہی نہ سن سکی۔ مجبوراً اسے کہنی سے پکڑ کر ہلانا پڑا۔

"کیا ہوا؟" وہاج نے نرمی سے پوچھا۔ اسکی آنکھیں دوبارہ چھلک پڑیں۔

"وہ۔ وہ جو اس دن ہوا تھا۔ اگر کسی نے کچھ کہا تو؟" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

مزید بولی۔

"اور اگر۔۔۔ اگر کسی نے آپ کو ساتھ دیکھ کر کچھ پوچھ لیا تو؟" اسکی آنکھوں میں چھپا ڈر دیکھ کر وہاج نے گہری سانس بھری۔

"جو اس دن ہوا اسکے بارے میں سب کی غلط فہمی خود بخود دور ہو جائے گی۔ ہاں اگر میرے بارے میں کسی نے کچھ پوچھا تو اسے میرے آفس بھیج دینا۔ میں خود بتا دوں گا۔" نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بول رہا تھا۔

اسے آج اتنے دنوں میں پہلی بار اس بات کا احساس ہوا کہ وہ ایک اچھا انسان تھا۔ بلکہ بہت اچھا! بس فتنہ پروری چھوڑ دے تو اسے بھی بہت کمال کا شوہر ملا تھا۔ جیسے ہی وہ ہمت کرتی گاڑی کا دروازہ کھولتی باہر نکلی تو سامنے اپنی پوری گینگ کو دیکھ کر ٹپٹا سی گئی۔ دوسری طرف سے وہاج بھی نکل کر اسی کی طرف آ گیا۔ ہانیہ کو لگا جیسے اسکے گال آگ سے جھلنے لگے ہوں۔ سامنے دوستیں کھڑی معنی خیزی سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہاج تھا کہ پورے کا پورا عین اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا ہے اب؟ گرمی لگ رہی ہے؟" وہاج کو اسکا لال ٹماٹر چہرہ معمول کے مطابق غصے کی وجہ سے ہی لگا تھا۔ شاید اسے دوبارہ وہاج پر غصہ آیا تھا اور اسی لیے لال ٹماٹر ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔۔۔وہ بس۔"

وہ مزید کچھ کہتی کہ وہاج آگے بڑھا، ہانیہ کی دم سادھے رہ گئی۔ جبکہ وہ اب اسکے حجاب سے کچھ اتار رہا تھا۔ شاید کوئی پن تھی۔ اسے دونوں ہاتھوں کی مدد سے اتارنی پڑی۔ تاکہ اسکا ریشمی حجاب خراب نہ ہو۔ دور کہیں کسی نے ہوٹنگ کی تھی۔ ہانیہ نے سر اتنا نیچے جھکا دیا کہ وہاج اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا۔

"پاگل لڑکی! جب ان اوزاروں کا استعمال کرتے ہیں تو احتیاط لازمی کیا کرو۔ دیکھو۔" مڑی تڑی پن اسکے سامنے کی۔ جو اگر واقعی احتیاط نہ کرتی تو یقیناً اسکے سر میں بری طرح چبھنے والی تھی۔ سارا راستہ بھی سوئی کی چبھن محسوس ہوتی رہی۔ مگر اس نے نظرانداز کر دیا کہ حجاب کرنے والی لڑکیوں کو ایسی چیزوں سے ڈیل کرنا پڑتا تھا۔

"آپ جائیں نا بھئی۔ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"

اسے اب کوفت سی ہونے لگی۔ ایک تو یہ بلاوجہ کی شرم اسے کسی دن لے ڈوبے گی۔ وہاج تنبیہی انداز میں اسے گھورتا ایڈمن بلاک کی طرف بڑھ گیا۔ گہرا سانس لیتی وہ اسکی پشت کو دیکھتی مڑی اور سامنے کھڑی دوستوں کے پاس چلی گئی۔ جنہوں نے کم از کم دو گھنٹے لگائے تھے اسے ستانے میں اور آخر میں کے ایف سی سے ایک اچھی خاصی ٹریٹ لے کر مانی تھیں۔

"چڑیل کہیں کی۔ بھلا یہ بھی کوئی بات تھی ٹریٹ والی۔ ایویں میرا پانچ ہزار ضائع ہو گیا۔"

اسکی بڑبڑاہٹ ساتھ بیٹھا وہاج بخوبی سن چکا تھا۔

"اگر انسان کے سینے میں دل ہو تو یقیناً اسے پتا چل ہی جاتا ہے کہ یہی مواقع ہوتے ہیں جب دوست احباب مل بیٹھتے ہیں۔ مگر میں یہ سب تمہیں کیوں کہہ رہا ہوں، تمہارے لیے تو یہ ایک زبردستی کا رشتہ ہے نا۔" نجانے اسے کیا سوجھی کہ واپسی پر یہ بات کر دی۔

ہانیہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ جبکہ وہ خود گردن موڑ کر چند پل اسے دیکھتا رہا اور آہستگی سے ہنس کر توجہ سامنے مرکوز کر دی۔

☆......☆......☆

ویک اینڈ کی وجہ سے یونی ورسٹی دو دن آف تھی۔ ہفتہ اور اتوار اسے اب گھر میں گزارنے تھے۔ آج اسے پورے دس دن ہو چکے تھے لاہور شفٹ ہوئے۔ اماں اور ابا ایک دو دفعہ اس سے مل کر جا چکے تھے۔ اس گھر میں ایڈجسٹ کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ وہاج سے اسکی ملاقات بہت کم ہوتی تھی۔ اگر ہو بھی جاتی تو وہ کم ہی اسکے سامنے بولتی۔ کھاتا اٹھانے سے بہتر تھا کہ وہ اپنی زبان کے جوہر دکھاتی ہی نہ۔ وہاج رات کو بہت لیٹ آتا اور صبح ہی صبح نکل جاتا۔ سفینہ بیگم بذات خود ایک صوبر سی خاتون تھیں۔ انکا نرم مزاج اور شگفتہ رویہ ہانیہ کیلئے ایک ڈھارس سا بن گیا تھا۔ وہ یونی سے آکر سارا وقت انکے ساتھ گزارتی۔ دونوں ہی گھنٹوں بیٹھی باتیں کرتیں۔ شام کا کھانا پنکی کے ساتھ مل کر وہ خود بناتی۔ طرح طرح کی ڈشز بنا کر سفینہ بیگم کو چکھاتی تو وہ خوشی سے وارے صدقے جاتیں۔ انکی بہو کو کھانا بنانا آتا تھا یہ چیز انکے لیے باعث تقویت تھی۔ وہاج کو گھر کا کھانا اور خصوصاً گھر کی ہی کسی عورت کے ہاتھ کا کھانا پسند تھا۔ باہر کا کھانا اسے سوٹ نہ کرتا تھا۔ ایک دن یونہی بیٹھے بیٹھے نجانے اسے کیا سوجھی کہ اپنی کتابیں ایک طرف رکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سفینہ بیگم پاس ہی صوفے پر بیٹھی وہاج اور اسکے نکاح کی تصویریں دیکھ رہی تھیں۔ اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر بولیں۔

"کیا ہوا گڑیا! اٹھ کیوں گئی۔۔ پڑھنا نہیں؟" سفینہ بیگم کے پوچھنے پر اس نے جمائی لیتے نفی میں سر ہلایا۔

"اماں! مجھے نیند آرہی ہے۔ اگر سو گئی تو اسائنمنٹ دھری کی دھری رہ جائے گی اور مس

تاشفہ میرا سر پھاڑ دیں گی۔" کہتے ساتھ ہی اس نے چپل پہنی۔

"پھر اب؟" نیند سے بے حال ہوتے ہوئے بولیں۔ ہانیہ کو ان پر ڈیڑھ سارا پیار آیا۔ کتنی اچھی تھیں نا وہ۔ اتنی لیٹ اسکے ساتھ جاگتی تھیں۔ تا کہ اسے اکیلا پن محسوس نہ ہو۔

"کچن میں جا رہی ہوں۔۔ آپ کچھ کھائیں گی؟" بالوں کا جوڑا لپیٹ کر کچن کی طرف جاتی وہ بولی۔

"ارے کچھ نہیں! اس وقت تو میں بس سوؤں گی۔ تمہاری وجہ سے جاگ رہی تھی۔" وہ بزرگ خاتون محض اسکے لیے جاگ رہی تھی۔ ایک پل کو اسے پشیمانی سی ہوئی۔ کیا ہے اکیلے جاگ کر نہیں بنا سکتی اسائنمنٹس! اپنی وجہ سے انہیں بھی تکلیف دیتی ہو۔

"اماں چلیں آئیں میرے ساتھ!" کچن میں جانے کے بجائے وہ ان کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"ارے۔۔۔ کیوں، کیا ہوا اب؟" انہیں حیرت ہوئی۔

"کوئی نہیں! آپ اٹھیں میرے ساتھ۔ اپنے کمرے میں چلیں اور آرام سے سو جائیں۔" انہیں زور زبردستی سے انکے کمرے میں لے جا کر سلایا۔ وہ تب تک وہاں سے ہلی نہ تھی جب تک انکے سونے کی تصدیق نہ کر لی۔ وہ سوتے ہوئے بہت معصوم لگ رہی تھیں۔ عمر بڑھنے کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کی نیند بڑی کچی ہو جاتی ہے۔ وہ اسی خیال سے آہستگی سے اٹھتے ہوئے دروازے کے پاس آئی، مڑ کر دیکھا وہ آرام سے سو رہی تھیں۔ خاموشی سے ناب گھما کر دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ کچن کی طرف رخ کرتے اسے احساس ہوا جیسے ڈائننگ سے برتنوں کی کھنک سنائی دے رہی تھی۔ تھوڑا سا جھانکا، کوئی نظر نہ آیا تو کچن میں آ گئی۔ اب اسے کچن کی چیزوں کا علم ہو چکا تھا۔ نوڈلز نکال کر شیلف پر رکھے۔ پانی ابالنے

کیلیئے سنک کی طرف مڑی کہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ مارے ڈر اور خوف کے اسکی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

''اللہ توبہ! انسان ہیں آپ کہ جن؟'' اپنے دل پر ہاتھ رکھتے اس نے خود کو ریلیکس کیا مگر سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر خون کھولا جبھی ایسے بولی۔

''کبھی کوئی انسانوں والا لقب بھی دے دیا کرو۔ جب بولتی ہو کوئی نہ کوئی قصیدہ لکھ رکھا ہوتا ہے میرے لیے۔'' سفید ڈریس شرٹ کے نیچے سیاہ ڈریس پینٹ پہنے، جسکا اوپری بٹن کھول دیا تھا! ڈھیلی ٹائی کے ساتھ فولڈ ہوئے بازو اس بات کا ثبوت رہے تھے کہ وہ کچن میں اپنے لیے کچھ بنانے آیا تھا۔ ہانیہ نے اسے سوالیہ ایسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔ ''کیا؟''

''بھوک لگی ہے بھئی۔ کچھ کھانے آیا ہوں۔ ٹینڈے بنا کر جو احسانِ عظیم کیا ہے مجھ پر وہ میں کبھی نہیں بھولوں گا۔'' شاید اس نے کڑوی مرچ چبائی ہوئی تھی۔ جبھی ایسے جب بولا تو بولتا ہی گیا۔ ساتھ ہی ہانیہ کے ہاتھ سے ساس پین بھی لے لیا۔

''کیا بنانے لگے ہیں؟ مجھے بھوک نہیں ہے مگر کچھ کھانا ضرور ہے تاکہ نیند غائب ہو جائے۔'' کمر پر ہاتھ رکھتے وہ بالکل اسکے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

''زہر کو تڑکہ لگاؤں گا، بتاؤ، کھاؤ گی؟''

اللہ اللہ ایسا رویہ۔ ہانیہ کا منہ کھل گیا۔ کیسا بے دید شوہر تھا۔ کیا جاتا اگر جو اپنے لیے بنانے لگا تھا اس میں سے تھوڑا سا اسے بھی دے دیتا۔ وہ کونسا بھینس تھی جو سارا ہڑپ کر جاتی۔ افسوس صد افسوس!

''اس سے نیند غائب ہو جائے گی نا؟'' وہ بھی اپنے نام کی ایک تھی، بڑی معصومیت سے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔ تو وہاج نے ایک تپی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

''چپ کر کے ایک طرف بیٹھ جاؤ! بنا رہا ہوں تو سہ، کھالینا تم بھی۔'' وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے احسان عظیم کر رہا ہو۔ ہانیہ کی آنکھوں میں نا چاہتے ہوئے آنسو آ گئے۔

''آپ اتنا روڈ کیوں بولتے ہیں وہاج؟ حالانکہ سب یہی کہتے ہیں کہ آپ بہت اچھے ہیں۔'' اسکی آنکھوں میں آنسو تھے، اور چہرے پر بے یقینی سی۔ وہاج کی ساس پین پر گرفت مضبوط ہوئی۔

''ہاں! کیونکہ میں ایسا ہی ہوں۔ کوئی مسئلہ ہے؟'' گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔ لیکن ہانیہ نوٹس ہی نہ کر پائی۔

''دیکھیں! اگر آپ کو میرا یہاں رہنا پسند نہیں تو صاف صاف کہہ دیں۔ میں چلی جاتی ہوں۔ یہ انڈائریکٹلی تیر چلانے کی کیا ضرورت ہے؟'' دوپٹے سے آنسو صاف کرتی پھر وہ وہاں رکی نہیں۔ واپس مڑ گئی۔ نہ آدھی ادھوری اسائنمنٹ یاد رہی، نہ ہی کچھ پڑھنے کا ذہن میں رہا۔ یاد تھا تو بس اتنا کہ وہاج کا رویہ دھوپ چھاؤں کی طرح تھا۔ جسے وہ شاید پوری زندگی نہ سمجھ پاتی۔

''اچھی بات ہے! اب جا ہی رہی ہو تو یہ بھی بتاتی چلو، جانا کہاں ہے؟ وہ کیا ہے نا کہ مجھے پتا تو ہو کہ میری نام نہاد بیوی کہاں پر ہے۔ اگر کسی نے پوچھ لیا تو کیا جواب دوں گا۔'' طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ بولا۔ ہانیہ کو یوں لگا جیسے بھری محفل میں طمانچہ اسکے منہ پر مارا گیا تھا۔ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ دونوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔ وہاج کی سرخ ہوتی آنکھوں میں بے بسی تھی، اور اسکی آنکھوں میں بے یقینی۔ ہانیہ کی آنکھ سے گرنے والے آنسو نے اس پرسوز لمحے کو توڑا۔

''میں پہلے تو لاؤنج میں جا رہی تھی مگر اب نہیں۔ اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گی۔

آپ شاید بھول چکے ہیں میں ابراہیم پاشا کی بیٹی ہوں۔ آپ کا احسان اب نہ خود لوں گی نہ اپنے والدین کو لینے دوں گی۔" ہتھیلی سے آنسوؤں کو بے دردی سے رگڑتی وہ واقعی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ وہاج نے ایک پل کو سر جھٹک دیا مگر پھر نجانے کیا سوجھی کہ سب چھوڑ چھاڑ کر باہر کو لپکا۔ اسکے جانے تک وہ چوکیدار کے سر ہو چکی تھی۔

"میں نے کہا دروازہ کھولو ورنہ رکھ کے ایک چماٹ ماروں گی۔" انگارے چباتی جب وہ گیٹ کیپر پر دھاڑی تو وہ بیچارہ سہم گیا۔ مگر کیا کرتا دروازہ نہیں کھول رہا تھا تو شیرنی کی دھاڑ سننی پڑ رہی تھی۔ اگر کھول دیتا تو اندر بیٹھے وہ جلاد شیر کی دھاڑ سننی پڑتی۔ سفینہ بیگم نے بھی چڑیا گھر پال رکھا تھا بھئی۔

"ہانیہ! رکو۔ ادھر آؤ۔ پاگل تو نہیں ہو گئی تم؟" لاؤنج میں ہی اسے ہانیہ کی غصے بھری آواز سنائی دی۔ ایک پل کو خود کو کوسا بھی کہ کیا ضرورت تھی کسی کا غصہ اس پر نکالنے کی۔ باہر آ کر دیکھا تو وہ ملازم کے سر پر کھڑی انگارے چبا رہی تھی۔ بازو سے پکڑ کر اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے اس نے ڈپٹ دیا۔ جبکہ وہ حیرت زدہ سی اسکی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ مجھے بتا کیوں نہیں دیتے آپ، میری زندگی میں ہر جگہ آپ حاوی ہو رہے ہیں۔ میرے گھر والوں کو آپ نے شیشے میں اتارا ہوا ہے۔ یونی میں لوگ مجھے دیکھ کر آپ کی وجہ سے باتیں سناتے ہیں۔ جس کا جب دل کرتا ہے میری بے عزتی کر دیتا ہے۔ اس سب میں، میں کہاں ہوں؟ آخر میرا کیا قصور ہے اس سب میں؟" وہ بولنے پر آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔ وہاج خاموشی سے اسے سنے گیا۔ پھر آہستگی سے اسکا بازو چھوڑ کر ہاتھ پکڑا اور اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ پیچھے کھڑا ملازم جمائی لیتا سونے کو ہو لیا۔ ہانیہ جو مزید بھی اسے کئی باتیں سنانے کے موڈ میں تھی بلکہ صلواتیں کہنا مناسب ہوگا اسکے اس طرح ہاتھ

پکڑنے پر ایک دم رک گئی اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔اللہ خیر!اب اسے اتنی رات میں اکیلے ہونے کا احساس شدت سے ہوا۔آنسوؤں میں مزید اضافہ ہوا۔

اندر کچن میں جا کر اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے وہ خود ایک گھٹنا موڑے نیچے بیٹھ گیا اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔شاید وہ اسکے چہرے سے کچھ آثار دیکھنا چاہتا تھا۔کوئی چوری پکڑنا چاہتا تھا۔وہ چاہتا تھا کہ ہانیہ خود ہی اسے اپنے دل کی بات بتا دے مگر ہانیہ کے ری ایکشنز نے اسے اس بات کی تصدیق کروادی کہ اسکی زندگی میں وہاج کے علاوہ کوئی اور نہ تھا۔

جب چند پل یونہی گزر گئے تو اسے کوفت ہونے لگی۔

''کچھ کہہ بھی چکیے اب! میں نے اسائنمنٹ بنانی ہے۔'' ناک پونچھتے ہوئے اس نے کہا۔وہاج مسکرادیا اور پھر جلد ہی مدعے پر آیا۔

''آج غضنفر ملا تھا مجھے!'' اس نے غضنفر کا نام لے کر اسکی آنکھوں میں دیکھا جہاں وہ کسی چمک کی امید کر رہا تھا مگر ایسا نہ ہوا۔بلکہ اسکے چہرے کے تاثرات ایسے تھے جیسے اس نے کڑوا کریلا کھالیا ہو۔

''میری زندگی میں پہلے منحوس چیزیں کم ہو رہی ہیں ایک اسکا اضافہ دوبارہ سے ہو گیا۔'' ناک منہ چڑھا کر اس نے کہا۔مگر آخر میں زبان دانتوں تلے دبا کر اسے دیکھا۔جو بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔

''ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہوں۔ابھی تک جو بھی ہوا ہے وہ کہاں سے میرے حق میں تھا۔میرا تو دل کرتا ہے اسکا قتل اپنے ہاتھوں سے کروں،اسکے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کروں اور اسکی بوٹیاں۔۔۔'' دونوں ہاتھوں سے مصنوعی کچومر بناتی وہ خاکہ نگاری بڑی لرزا دینے والی کر رہی تھی۔

"ارے بس بس! خدا کا خوف کرو لڑکی۔ مانا کہ تمہارا دشمن ہے مگر اس طرح تو انسانیت سے اعتبار اٹھوانے والی بات ہے۔" اسکے ہاتھ کو تھپکتے ہوئے اس نے کہا۔ وہاج کی بات پر اس نے سر جھٹک دیا۔ کافی دیر تک وہ دونوں یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہاج نے نوڈلز بنا کر اسکے لیے اور اپنے لیے الگ الگ باؤل میں نکالے اور بھاپ اڑاتے باؤل اس کے پاس ہی لے آیا۔

☆......☆......☆

آج سوموار کی صبح تھی۔ دنیا کا مصروف ترین دن آغاز تھا۔ وہاج تک سک سے تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو سفینہ بیگم کو اکیلے ہی پایا۔

"خیریت اماں؟ ہانیہ کدھر ہے! یونیورسٹی نہیں جانا اس نے؟" ناشتے کا آغاز کرنے سے پہلے وہ بولا۔

"اسکی کلاس کی لڑکیاں آئی تھیں انہی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ سات بجے وائیوا ہے پہنچنا ضروری ہے۔" سفینہ بیگم اپنے لیے آملیٹ نکالتے ہوئے بولی۔ جبکہ وہاج انکی بات پر رک سا گیا۔

"آپ نے مجھے وقت پر اٹھا لینا تھا اماں! یہ لڑکی بھی سمجھ سے باہر ہے۔" دیکھتے ہی دیکھتے اسکی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

سفینہ بیگم بھی خاموش سی ہو گئیں۔ کیا کرتی وہ بھی ٹھیک تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور یونیورسٹی روانہ ہو گیا۔

☆......☆......☆

قریباً دس بجے کا وقت تھا۔ اسے عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ بار بار فون کو دیکھتا۔ چند

ایک کام نمٹانے کے بعد جب وہ فارغ ہوا تو چھوٹتے ہی اسے کال ملائی۔ایک دفعہ۔۔دو دفعہ۔یہاں تک کہ اسکے بار بار کال ملانے پر بھی جب کوئی رسپانس نہ ملا تو مجبوراً اپنے پی اون کو آواز دی۔

"جاؤ ایم ایس سائیکولوجی کی فائنل ایئر کی سٹوڈنٹ ہے ہانیہ ابراہیم!اسے بلا کر لاؤ۔" کافی کا مگ پکڑ کر کھڑکی کے پاس جاتے وہ بولا۔پی اون جانتا تھا کہ وہ فائنل ایئر کی سٹوڈنٹ کوئی اور نہیں اسکی بیوی تھی۔مسکرا کر سر ہلایا اور باہر نکل گیا۔

دیوار گیر کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر اس نے کافی کا پہلا گھونٹ اندر اتارا۔چند ثانیے کافی کی تاثیر کو پانے کیلیۓ آنکھیں بند کر دیں اور دو انگلیوں سے اپنے پیشانی کو دبایا۔سردیوں کے موسم کی آمد ہی آمد تھی۔سامنے گراؤنڈ میں لڑکے لڑکیاں ٹولیوں کی صورت بیٹھے آدھی دھوپ اور آدھی چھاؤں میں موسم کا لطف لے رہے تھے۔

چوکیدار انہی میں سے ایک گروپ کے پاس جا کھڑا ہوا۔سب لڑکیوں نے حیرت سے مڑ کر اسے دیکھا۔

"باجی۔" ہانیہ کو دیکھ کر اس نے بتیسی دکھائی۔

"جی؟" سبھی لڑکیوں کا رخ انکی طرف تھا۔ہانیہ نے الجھن سے اسے دیکھا۔

"وہ سر بلا رہے ہیں آپ کو۔" بڑی لجاجت سے اس نے کہا تو وہاں بیٹھی سبھی لڑکیاں معنی خیزی سے ہنس دیں۔

انکی ہنسی کو نظر انداز کر کے اس نے موبائل دیکھا جو وائیوا کے دوران سائلینٹ پر لگا دیا تھا۔جیسے ہی سکرین آن کی،وہاج کی دس مسڈ کالز آ چکی تھیں۔جو دوستوں کے ساتھ ہنسی مذاق میں وہ دیکھ ہی نہ پائی۔جلدی جلدی اپنا بیگ سمیٹا،کرکرے کا پیکٹ ہاتھ میں لیا اور اسی ہاتھ میں

موبائل پکڑ کر وہ ایڈمن بلاک کی طرف بھاگی۔ مشکل سے تو دوستی ہوئی تھی۔ اب اسے بھی گنوا دیتی۔ آفس کے سامنے جا کر دروازہ ناک کیا لیکن جواب نہیں آیا۔ پھر دوبارہ ناک کیا لیکن اب جواب آنے کے بجائے دروازہ کھلا اور ایک ناراض سی نظر اس پر ڈال کر وہ چلا گیا۔ اسکے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے۔ شاید وہ اپنی فیکٹری کی طرف جا رہا تھا۔ پونے گیارہ ہو چکے تھے اور ساڑھے گیارہ بجے وہ ایک چکر فیکٹری کا ضرور لگاتا تھا۔ اتنے دنوں میں اسے اس بات کا احساس تو ہو ہی چکا تھا۔ ہانیہ اسکی پشت کو دیکھتی رہی۔ آج اسے واقعی افسوس ہو رہا تھا۔ لب مٹکائے وہ اسے اس وقت تک دیکھتی رہی وہ جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ پھر آہستہ روی سے وہ واپس مڑ گئی۔ اب دوستوں میں جا کر بھی وہ پہلے کی طرح ہشاش بشاش نہ رہ سکی۔

☆......☆......☆

دو بجے کا وقت تھا واپسی پر کیب تو مل نہ سکی اب چینج کروانے کیلئے اس نے قدم بڑھائے۔ یونی کے گیٹ پر ہزار ہا رکشے ہوتے ہیں بس اسے ہی اس بات کا گھمنڈ ہوتا تھا کہ رکشے پر ذلیل ہو کر جانے سے بہتر کسی کیب میں چلی جاتی اور اب وہ کیب سے بھی گئی اور رکشے سے بھی ہاتھ دھوئے۔ موسم اگرچہ بدل چکا تھا مگر لاہور میں ابھی دوپہر کا وقت بڑا تپش والا ہوتا تھا۔ پیشانی پر آیا پسینہ صاف کرتی وہ پوری طرح سے فرسٹریٹ ہو چکی تھی۔

"یا اللہ! کہاں پھنس گئی میں۔" دوپٹے سے ہوا جھلتی وہ روہانسی ہو گئی۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک سفید رنگ کی فارچونر اسکے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ دور سے آتی یہ گاڑی دیکھ کر اس نے دل ہی دل میں وہاج کے نہ ہونے کی دعا کی کیونکہ گاڑی ہو بہو وہاج کی گاڑی سے ملتی جلتی تھی۔ جیسے ہی گاڑی رکی اس نے سر نیچے جھکا کر خود کو کوسا۔

"ہائے اللہ یہ جلاد کہاں سے ٹپک پڑا؟ یقیناً اب یہ مجھے کچا چبا جائے گا۔۔۔" بڑبڑا کر اس

نے گاڑی سے نکلتے وہاج کو دیکھا۔ جو اَب اسکے عین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ ہانیہ کو دیکھ کر اس نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

''اگر ستی ساوتری بننے کا شوق پورا ہو گیا ہو تو گھر چلیں؟'' سرد طنزیہ لہجہ تھا۔ ہانیہ نے چور نظر اسکی طرف اٹھائی مگر مقابل کو اپنی طرف دیکھتا پا کر فوراً جھکا لی۔

''آئم سوری! آپ چلے گئے تھے تو میں نے فون کر کے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اسی لیے۔۔۔'' آگے وہ کچھ کہتی کہ وہاج نے اسکی بات کاٹ دی۔

''اور اسی لیے آپ مین روڈ پر خجل خوار ہونے آ گئیں محترمہ! گھر چلو تم فوراً۔'' آگے بڑھ کر اسکے ہاتھ سے بیگ لیا اور ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھولا۔ ہانیہ بھیگی بلی کی طرح آرام سے بغیر کوئی احتجاج کیے بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

دن بہ دن ان دونوں کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ بہتر سے بہتر ہوتا جا رہا تھا۔ بلاوجہ کی جو چڑ چڑا تھی وہ پہلے سے بہت کم ہو چکی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی بات تحمل سے سنتے۔ سفینہ بیگم دونوں کا سلوک دیکھ کر کھل اٹھتیں۔

ایک دن ہانیہ یونیورسٹی سے آتے ہی پڑھنے بیٹھ گئی۔ کھانا بھی پڑھتے ہوئے ہی کھایا۔ دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی مگر اسے وقت نہ ملا۔ دو تین منٹ کا ریسٹ کرتی اور پھر دوبارہ سے لکھنا شروع کر دیتی۔ وہاج آیا تو اس نے محض اسکے سلام کا جواب دیا اور اپنے کام میں دوبارہ جت گئی۔ سفینہ اور وہاج نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ پھر چائے اپنے کمرے میں بھجوانے کا کہہ کر وہ ایک دفعہ اس کی طرف آیا۔ ابھی چائے بننے میں وقت تھا۔ پنکی کچن میں تھی جبکہ سفینہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''آج خیریت ہے نا؟ موصوفہ بڑی بزی دکھائی دے رہی ہیں۔'' مسکراہٹ دبائے اس نے پوچھا۔ ساتھ ہی سنگل صوفے پر بیٹھ گیا۔ گھٹنوں پر کہنیاں ٹکا کر ہاتھوں کو باہم پھنسائے وہ دلچسپی سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔

''میری زندگی میں کہاں سکون ہوتا ہے۔ اماں ابا نیو کلیئر اٹیک نہ کریں تو ڈیپارٹمنٹ والے کر دیتے ہیں۔ سیاپا پڑا ہوا۔۔۔'' دوپہر سے رات ہونے کو آئی تھی۔ اب تو وہ تنگ آچکی تھی۔ ایک سوال کو تین دفعہ ڈیٹیل کے ساتھ لکھنا پڑا۔ وہاج اسکی بے تکی بات پر ہنس دیا۔

''میری کوئی ہیلپ چاہیے۔'' اس نے ترس کھاتے ہوئے کہا۔

ہانیہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ابھی تک تو نہیں پڑی۔'' لگاتار لکھتے ہوئے وہ بولی۔

وہاج اسکا مصروف انداز دیکھے گیا۔ بعض اوقات وہ اسے دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ ایک بات اسکے دل میں کئی دفعہ آتی۔ دل کرتا کہ کہہ دیتا مگر نجانے کیا تھا جو کبھی بول نہ پایا۔

ہانیہ پنسل بند کر کے اوپر ہو کر بیٹھی تو ٹھٹک گئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو موصوف اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اسکے دیکھنے پر مسکرا دیا۔

''یہ لیجیے بھائی، چائے۔'' اسکا تسلسل پنکی کی آواز نے توڑا۔ چائے کا کپ پکڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''الارم لگا لو ہانیہ! اماں بتا رہی تھیں کہ تم دوپہر سے تھیسز میں مصروف ہو۔ طبیعت خراب نہ کر لینا۔'' فکرمندی سے بول کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ہانیہ نے محض سر ہلا دیا۔

قریباً آدھا گھنٹہ گزرا تھا کہ اسے ایک سوال کی سمجھ نہ آ رہی تھی۔ بڑے ہی مشکل الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ اسے سمجھ نہ آئی کہ کیا کرتی۔ دوبارہ سے کرنے کی کوشش کی مگر پھر وہی۔ مشکل

الفاظ اسکے پلے نہیں پڑتے تھے۔ یہ آخری سوال تھا اسکے بعد حوالہ جات لکھنے تھے وہ کام تہمینہ کے ذمے تھا۔ تھک ہار کر جب اسے کچھ سمجھ نہ آئی تو اپنا رخ وہاج کے کمرے کی طرف کرلیا۔ آخر پی ایچ ڈی ہولڈر تھا اس گھر میں۔ اسکی ڈگری کس دن کام آنی تھی۔ یہی سوچتی وہ دروازے کے پاس جا کھڑی ہوئی اور آہستگی سے ناک کیا۔ اندر بیٹھا وہاج ایک پل کو چونک گیا مگر پھر اپنا خیال کہہ کر لیپ ٹاپ پر مصروف ہوگیا۔ دوبارہ دروازہ ناک ہوا تو اسے تشویش سی ہوئی۔ رات کے دس بج رہے تھے اس وقت کون ہوسکتا تھا۔ یہی سوچتے وہ اٹھا اور اٹھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے نیند سے سرخ ہوتی آنکھیں لیے، ہاتھوں میں رجسٹرز، لیپ ٹاپ پکڑے وہ کھڑی تھی۔ وہاج نے اسے یوں دیکھا جیسے اسکے پاگل ہونے کی یقین دہانی پر مہر ثبت ہورہی ہو اور وہ مہر یقیناً وہاج کے ہاتھوں لگے۔

"پلیز مجھے غلط مت سمجھئے گا۔ ایک سوال کی سمجھ نہیں آرہی۔ بڑی کوشش کی ہے مگر نہیں آئی سمجھ۔ آپ پڑھ کر اسے آسان الفاظ میں کردیں۔ مہربانی ہوگی۔" چھوٹتے ہی اس نے اپنی طرف سے اس بات کو ختم کرنا چاہا جو اسکے خیال میں وہاج کے ذہن میں آنی تھی، اسکے حوالے سے۔ دروازہ کھول کر وہ ایک طرف ہوا اور اسے اندر آنے کا کہہ کر خود بھی صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہانیہ نے یہاں بھی صوفے کے ساتھ پڑے قالین پر اپنی کتابیں پھینکیں۔

"ادھر لاؤ۔" وہاج اپنا لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر بولا۔ پھر پوری توجہ سے اس نے سارے ٹاپک کو آسان الفاظ میں کر کے دیا۔ پندرہ منٹ میں وہ اسے سارا مضمون سمجھا چکا تھا۔ اب بس اپنے الفاظ میں اسے لکھنا تھا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں؟ اگر جگہ بدلی تو پھر بھول جاؤں گی۔" ہانیہ نے نیچے پڑے قالین کی طرف اشارہ کیا۔ وہاج دھیرے سے اسکی نرالی منطق پر مسکرا دیا۔

"پاگل لڑکی بیٹھ جاؤ۔" اسے بیٹھنے کا کہہ کر خود لیپ ٹاپ گود میں رکھا اور ٹانگیں میز پر ٹکا کر کام کرنے لگا۔ فیکٹری کے حوالے سے کچھ پریزینٹیشنز تیار کرنی تھیں۔ ابھی کام نیا تھا اور وہ کسی پر یقین نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے رات کو دیر تک فیکٹری کے ان کاموں کو دیکھتا۔ وہ دونوں ہی اپنے اپنے کام میں مگن ہو گئے۔ وہاج صوفے پر بیٹھا تھا اور پاؤں میز پر تھے جبکہ ہانیہ اسکے ساتھ ہی نیچے قالین پر بیٹھی تھی۔

سفینہ بیگم بدہضمی کی وجہ سے زیادہ دیر سو نہ سکی۔ پانی پی کر انہیں ادھ کھلے دروازے سے اندازہ ہوا کہ لاؤنج کی لائٹس آن تھیں۔ ہمت کر کے وہ اٹھیں اور چپل پہن کر باہر قدم بڑھائے۔ لاؤنج کا پنکھا چل رہا تھا، کتابیں ویسے ہی بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں جیسے کچھ دیر قبل ہانیہ کے بیٹھے ہوئے تھیں۔ وقت دیکھا تو سوا گیارہ ہو رہے تھے۔ اپنے ساتھ والے کمرے میں گئیں تاکہ ہانیہ کو دیکھ سکیں مگر اسے وہاں نہ پا کر انکا دل ایک دم سکڑا۔ اپنے دل میں آنے والے وسوسوں کو نظر انداز کرتے انہوں نے وہاج کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ جب اوپر گئیں تو کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ طرح طرح کے وسوسے سر اٹھانے لگے۔ ہمت کرتی وہ کمرے کے قریب چلی گئیں۔

پنکھے کے چلنے کی آواز کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو سامنے کا منظر دیکھ کر انہوں ایک گہری سانس خارج کی۔ وہ دونوں ایک کمرے میں ہی تھے۔ مگر سفینہ بیگم کے محض وسوسے ہی تھے۔ قالین پر بیٹھی وہ اپنے تھیسز میں مصروف تھی جبکہ صوفہ پر نیم دراز وہ لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر ایسے لگ رہا تھا کہ اور نہیں تو یقیناً پاکستان کا نیا آئین وہی لاگو کرنے والے تھے۔ وہاج کی نظر اچانک دروازے پر پڑی تو ماں کو سامنے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اماں! اندر آجائیں۔ ادھر کیوں کھڑی ہیں؟" وہ بولا تو ہانیہ نے بھی سر اٹھا کر دیکھا۔ سامنے سفینہ بیگم کھڑی ان دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"کچھ نہیں، مجھے ہانیہ کی فکر ہو رہی تھی اسی لیے اسے دیکھتی دیکھتی آ گئی۔" وہاج ان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اسکے چہرے پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی وہ بولیں۔

"ایک بات کہوں بیٹا؟" انہوں محبت سے اسے دیکھا کہا۔ وہاج نرمی سے مسکرایا، لیکن چہرے پر ایک اندیکھی الجھن در آئی۔

"کچھ حدود ہمارے لیے بڑی خوبصورت ہوتی ہیں بیٹا۔ نکاح جیسے مقدس رشتے میں بندھنے کے باوجود بھی ان حدود کا خیال رکھنا ہی انسان کو صابر کہلواتا ہے۔ مجھے تم دونوں پر اپنے آپ سے زیادہ یقین ہے۔ مگر شیطان کب انسان کو اپنے بہکاوے میں لے آئے، پتا ہی نہیں چلتا۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔" بڑی آہستگی سے انہوں نے حقیقت بیان کی۔ ہانیہ ان سے دور بیٹھی اپنے کام میں مصروف ہو چکی تھی۔ وہ کچھ بول نہ سکا محض سر ہلا دیا۔ وہ سمجھ سکتا تھا اگر ہانیہ اسکے پاس آئی تھی تو یقیناً اس پر اندھا اعتبار کرتی تھی۔ سفینہ بیگم بذات خود اس پر یقین کرتی تھیں۔ مگر وہ ماں تھیں ہر لحاظ سے ہر چیز پر نظر رکھنا ہی انہیں ایک ماں کے درجے پر پہنچاتا تھا۔ انہیں دیکھ کر تسلی کرتیں وہ واپس چل دیں۔ جبکہ وہ خود دوبارہ جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کتنا ٹائم لگے گا بھئی؟" جان بوجھ کے اپنے رویے کو تھوڑا سخت کرتے ہوئے وہ بولا۔ ہانیہ جو فائنل پروف ریڈ کر رہی تھی حیران ہو کر اسے دیکھا۔ بس میٹر گھوم چکا تھا موصوف کا۔

"جا رہی ہوں! صبر کریں۔ تھوڑی ہیلپ کیا لے لی نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔" چیزیں سمیٹ کر فائل پن اپ کرتے ہوئے اس نے کہا۔ وہاج نے سر جھٹک دیا۔

"دروازہ بند کرتی جانا۔" وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آئی تو پیچھے سے اسکی ہانک پر آ گ

بگولہ ہوگئی۔ مگر لڑائی کا ارادہ ملتوی کرتے بس دروازے کو دھڑام سے بند کرنے پر اکتفا کیا۔

جیسے ہی وہ گئی اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین بند کر کے اپنا سر صوفے کی پشت پر ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی اب اسے شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ اماں کے سامنے وہ تھوڑا امیپر س ضرور ہو گیا تھا۔ سب کچھ اپنے دماغ سے جھٹک کر وہ اٹھا۔ لیپ ٹاپ سٹڈی ٹیبل پر رکھا اور لائٹس آف کرتے اپنے بیڈ پر آلیٹا۔ موبائل کو سائلنٹ پر لگاتے اس نے دیکھا۔ حاجرہ کے میسجز تھے۔ دو تین دنوں تک اسکی آمد ہونے والی تھی۔

''ایک پاگل کم ہے جو دوسری بھی اسکی جوڑی دار آ رہی ہے۔'' جمائی لیتے ہوئے وہ بڑبڑایا اور نیند کے ارادے سے آنکھیں موند لیں۔ چند ہی لمحوں میں نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ لیکن یہ نیند کا دورانیہ چند ثانیے پر ہی محیط تھا۔ اسکی آنکھ موبائل کی رنگ ٹون نے کھول دی۔ ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے فون پکڑا مگر کال اسکے فون پر نہیں آئی تھی۔ ایک دفعہ بند ہو کر دوبارہ سے کال آنا شروع ہو چکی تھی۔ الجھن سے اس نے سائیڈ لیمپ جلایا۔ قالین پر پڑا اسکا فون پوری قوت سے چلا رہا تھا۔ چند پل اپنے کانوں پر تکیہ رکھے اس نے نظر انداز کیا مگر زیادہ دیر نہ کر سکا۔ مجبوراً اٹھا اور جا کر موبائل اٹھایا۔ سکرین پر نمبر تھا اور نیچے ان ناؤن لکھا آ رہا تھا۔ ناچاہتے ہوئے بھی اس نے کال ریسیو کر لی۔

''زہے نصیب۔۔۔زہے نصیب! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جو ہم جیسے غریب پر بھی نظرِ کرم ہوئی ہے۔'' مخالف غضنفر کی لوفر آواز آئی تو وہ جہاں تھا وہیں کا وہیں رہ گیا۔ حیرت اور بے یقینی سے سکرین کو دیکھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے لب بھینچ لیے، رگیں غصے کی وجہ سے پھولنے لگی تھیں۔

''اپنی قبر کا انتظام کر کے رکھو غضنفر! معاملہ اب ذاتی نوعیت کا ہو چکا ہے۔''

سرد الفاظ میں کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ دل تو کیا کہ ہاتھ میں پکڑا فون سیدھا دیوار میں دے مارے۔ مگر ضبط کرتے ہوئے فون کو سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھا۔ اب نیند کے آثار تو دور دور تک نہ تھے۔ بار بار اپنے اندر امڈنے والے اشتعال کو ضبط کرنا بڑا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ جب کہیں نہ بس چلا تو دراز سے سگریٹ نکالی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ چاند کی نیم روشنی میں اس نے سگریٹ سلگائی اور گہرے گہرے کش لینے لگا۔۔

وہ ساری رات ڈسٹرب رہا تھا۔ احتیاطاً وہ اسکے کمرے میں نہ جا سکا۔ اگر چلا جاتا تو یقیناً جذباتیت میں آ کر کوئی نا کوئی نقصان کر دیتا۔ جو بھی تھا وہ اسکی ذمہ داری تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ رخصتی سے پہلے ہی کسی بھی قسم کی بدمزگی پیدا ہوتی۔ جیسے تیسے کر کے اس نے وہ بھاری اور بھیانک رات گزاری۔

☆......☆......☆

صبح ہوتے ہی اس نے کاغذات سمیٹ کر اسائنمنٹ فائل میں لگائی۔ ہارڈ میں الگ تھے اور سوفٹ میں باقاعدہ کتاب پرنٹ کروائی تھی۔ اسکی آنکھیں نیند کی وجہ سے خمار آلود ہو رہی تھیں۔ آج طبیعت کچھ خاص تازہ دم نہ تھی۔ بلکہ عجیب سی کسلمندی کا شکار تھی وہ۔ چکراتے سر کے ساتھ باتھ لیا۔ تیار ہو کر باہر آئی تو موصوف نک سک سے تیار ہو کر ڈائننگ پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ ہانیہ بھی آ کر ناشتہ کرنے لگی۔ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ اسکا موڈ نوٹ ہی نہ کر پائی۔ اپنے تئیں مگن سی وہ ناشتہ کر رہی تھی۔ وہاج سپاٹ چہرہ لیے ناشتہ کرنے کے بعد بغیر چائے پیئے ہی باہر چلا گیا۔

سفینہ بیگم اسکا انداز نوٹ کر رہی تھیں مگر خاموش رہیں۔ تھوڑی دیر گزری کہ پنکی دوڑتی ہوئی اندر آئی۔

''باجی! جلدی سے باہر آجائیں۔ بھائی کہہ رہے، اگر دو منٹ کے اندر اندر آپ باہر نہ آئیں تو وہ چلے جائیں گے۔''

پنکی کے کہنے کی دیر تھی اس نے ناشتے سے فوراً ہاتھ کھینچ لیے۔ وہ اتنا تو اسے جان چکی تھی کہ اگر وہ ایسے کہہ رہا تھا کہ اسے چھوڑ جائے گا تو مطلب وہ اگلے دو منٹ میں اسکے باہر نہ جانے پر واقعی چھوڑ جائے گا اور اسکی خراب طبیعت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ فوراً چلی جاتی۔ ابھی کل کی تھکاوٹ نے آج بیمار کر دیا تھا۔ مزید لاہور کی سڑکوں پر خجل خوار ہونے کا شوق نہیں تھا اسے۔

جیسے ہی وہ باہر آئی وہاج گاڑی سٹارٹ کیے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اسکا منتظر تھا۔ یقیناً اسکے جانے کی دیر تھی۔ جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھی چوکیدار نے دروازہ کھول دیا اور وہ گاڑی کو زن سے باہر لے گیا۔ پورا راستہ وہ چپ رہا۔ اپنا غصہ اور اشتعال وہ رات کا ٹھنڈا کر چکا تھا۔ مگر اندر کچھ تھا۔ کچھ جلن سی تھی۔ ایسی جلن جو مقابل کو بھسم کرنا جانتی تھی۔ اسے اس وقت غصہ ہرگز نہ تھا بلکہ ایک جیلسی سی تھی۔ اسکا دل کر رہا تھا ہر چیز کو تہس نہس کر دیتا۔ ہانیہ دورانِ سفر اسے کئی دفعہ دیکھ چکی تھی۔ اس بات کا احساس اسے وقفے وقفے سے ہو رہا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' نوٹس سے نظر ہٹا کر اس نے اسے دیکھا جو سن گلاسز پہنے آج دل کو چھو لینے کی حد تک پیارا لگ رہا تھا۔ بے اختیار کئی بلائیں لے ڈالیں، کیا تھا اگر تھوڑا سا انسان بھی ہوتا، اس سے محبت کرنے میں کوئی حرج تو نہ تھی۔ وہاج نے اسکی بات کا جواب نہ دیا ایک نظر اسے دیکھ کر چپ کر کے گاڑی چلانے لگا۔

''دیکھیں! میں رات کو جان بوجھ کر آپ کے کمرے میں نہیں آئی تھی۔ نہ میرا کوئی غلط ارادہ تھا۔ میں تو بس ہیلپ لینے آئی تھی۔ چاہے تو قسم لے لیں۔'' وہ اپنی منطق کے مطابق

یہی سوچ سکی۔ وہاج کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط ہوگئی۔

''اور اگر میرا ارادہ غلط ہو جاتا تو؟'' اسکی طرف چہرہ موڑ کر اس نے کہا تو ہانیہ نے حیرت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند پل یونہی گزر گئے۔

''میں چھوٹی بچی نہیں ہوں وہاج! اگر میں گئی تھی تو اپنے ساتھ اس بات کا یقین لے کر گئی تھی کہ وہاج ارتضیٰ دنیا کا وہ واحد شخص ہے جس کے حق میں ہونے کے باوجود بھی میں محفوظ ہوں۔ اگر یہ یقین نہ ہوتا تو ہر روز رات کو مارے خوف کے مجھے نیند نہ آتی۔''

اس کی بات کی گہرائی نے ایک پل کو اسے حیران کر دیا مگر جو رات کو ہوا وہ بھی نا قابل فراموش تھا۔ سر جھٹک کر توجہ سامنے سڑک پر مبذول کر دی۔ بڑے سے بڑا کوئی بے غیرت بھی کیوں نہ ہو اپنی بیوی کیلئے ایسے الفاظ کسی دوسرے مرد کی زبانی سننا اسے زندہ زمین میں گاڑنے کے برابر ہوتا ہے۔

یونیورسٹی گیٹ تک ان دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔ چپ چاپ سفر کٹتا رہا اور آخر میں منزل آن پہنچی۔ گاڑی رکی تو اس نے اپنا بیگ اور فائل پکڑی۔۔۔ وہاج خاموشی سے نکل کر اسکے اترنے کا انتظار کرتا رہا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلی گاڑی کو لاک لگا کر کے وہ ایڈمن کی طرف بڑھ گیا۔ ہانیہ بھی اسکی طرف دیکھے بغیر ہی اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ دونوں ایک دوسرے کی مخالف سمت بڑھنے لگے۔

☆......☆......☆

پہلی کلاس لینے کے بعد اپنی اسائنمنٹ جمع کروا کے وہ باہر نکلی تو مس آمنہ نے اسے روک لیا۔ آج سب دوستوں نے چھٹی کی تھی۔ سبھی اپنی اپنی اسائنمنٹس جمع کروا چکے تھے۔ اسکی اور تہمینہ کی رہ گئی تھی۔ قریباً فجر کے وقت تہمینہ نے اسے حوالہ جات کمپوز کر کے بھیج دیئے اور اب وہ

آفس میں جمع کروا آئی۔ مس آمنہ کو وہ زیادہ نہیں جانتی تھی۔ چند ایک بار ان سے سرسری سی ملاقات ہوئی تھی۔ اسے ویسے بھی یہ مس کچھ خاص اچھی نہ لگتی تھی۔ قصداً مسکرا کر انکے کہنے پر وہ رک گئی۔

"کیسی ہو ہانیہ! کافی دن ہو گئے تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر وہاج کی صحبت نے تمہیں بھی مغرور کر ہی دیا ہے۔" چھوٹتے ہی انہوں نے وہاج اور اسکا ذکر جس چاشنی اور چاپلوسی کی ملاوٹ سے کیا اس نے اسے حیران کر دیا۔ وہ توقع نہیں کر سکتی تھی کہ آمنہ جیسی سمجھدار عورت اس طرح بات کرے گی۔

"ایسی بات نہیں ہے آپ بتائیں! خیریت سے ہی ملنا چاہتی تھی مجھ سے؟" رسمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ بولی۔ وہ دونوں ہی ایک کونے میں کھڑی تھیں۔ یہاں لوگوں کی زیادہ آمدورفت نہ تھی۔

"دراصل میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔ بڑی دیرینہ خواہش تھی تمہیں دیکھنے کی۔ آخر مجھے رجیکٹ کر کے وہاج ارتضیٰ نے کس سے نکاح کیا تھا۔ اب یہ جاننا تو میرا بھی حق ہے نا؟" بلی تھیلی سے باہر آئی تو اس نے گہری سانس بھری۔ اسے انڈین سیریل کی یاد آئی۔ جہاں ایک ہیرو کی ستر ہزار چاہنے والیاں ہوتی ہیں۔ آمنہ کا رویہ اسے بہت کچھ باور کروا گیا۔

"میم! اگر آپ کو کوئی مسئلہ ہے تو وہاج سے کنسرن کریں۔ مجھے اس سب میں انوالو کرنے کی ضرورت نہیں۔" سنجیدگی سے جواب دے کر وہ مڑ گئی۔

"میری تشویش تو تم سے جڑی ہے۔ وہاج تو کبھی دل نہیں توڑتا میرا۔" اسکے پیچھے ہلکی آواز میں کہہ کر وہ مسکرا دی۔

ہانیہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ایک بے یقینی سی تھی اسکی آنکھوں میں۔

"اچھی بات ہے۔۔اب میں جاؤں؟" بمشکل چہرے پر مسکراہٹ لا کر کہا، پھر جانے کی جیسے اجازت طلب کی۔

"شیور!" ایک طرف ہو کر اس نے راہداری کی طرف اشارہ کر دیا۔ ہانیہ کا دل کیا اسکا سر پھاڑ دیتی۔ جب تک جامعات میں آمنہ جیسی استانیاں تھیں کوئی بھی بچہ سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ اسکی سوچ تھی۔ سر جھٹک کر اس نے اپنا رخ کیفے کی طرف کر لیا۔

"منحوس ماری! کس قدر زلیل عورت تھی یہ۔ تمہیں اللہ پوچھے۔ سارے موڈ کا نست مار دیا۔" کیفے سے سموسے اور چائے لے کر کھاتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے مس زوباریہ نے کہا تھا کہ وہ اسے ای میل کریں گی۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے بیگ میں ہاتھ ڈالا کہ فون نکال کر اپنا جی میل اکاؤنٹ چیک کرتی۔ مگر پورا بیگ چھان مارا کہیں سے بھی موبائل نہ نکلا۔ پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے اس نے خود کو کوسا۔ آج کسی بھی حال میں وہ اس شخص کے پاس نہیں جانا چاہتی تھی۔ مگر اب مجبوری تھی۔ طوہاً کرہاً اس نے میز پر بکھرا پڑا بیگ سمیٹا، ہر چیز اٹھا کر بیگ میں رکھی اور اپنا رخ ایڈمن کی طرف کیا۔ ارادہ اس کے آفس جانے کا تھا۔

☆......☆......☆

جیسے ہی وہ آفس کے قریب پہنچی مس آمنہ اسے باہر ہی مل گئی۔ ہاتھ میں دو کپ کافی کے پکڑے وہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ نا جانے اس مسکراہٹ میں ایسا کیا تھا کہ وہ جل بھن گئی۔ بلکہ دل کیا اسکے ہاتھ میں پکڑے گرم گرم کافی کے کپ اسکے مسکراتے چہرے پر انڈیل دیتی۔ وہ شدت پسند نہیں تھی، مگر اس معاملے وہ شدت پسند ہوتی جا رہی تھی۔ اپنے آپ سے حیران ہوتی وہ بغیر ناک کیے اندر چلی گئی۔ وہاج کوٹ کو کرسی کی پشت پر لٹکائے، شرٹ کے بازو فولڈ

کیے کوئی فائل چیک کر رہا تھا۔ ہانیہ کی آمد پر سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک پل کو اسکی آنکھوں میں حیرت کا تاثر ابھرا۔ مگر جلد ہی دوبارہ وہی سختی چہرے پر سجائے وہ مصروف ہو گیا۔ مس آمنہ بھی اسکے پیچھے پیچھے ہی آفس میں داخل ہوئی اور کافی کا کپ میز پر رکھے کافی پیڈ کے اوپر رکھ دیا۔ اور خود مخالف سمت رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہانیہ چند پل خون آلود آنکھوں سے اس ڈھیٹ عورت کو دیکھتی رہی، مگر حالات کا تقاضا تھا کہ وہ چپ ہی رہتی۔

''ارے باجی آپ! کچھ چاہیے آپ کو؟ چائے لاؤں؟'' اسکا پی اون جو اسکے سر پر فائل پکڑے کھڑا تھا جب ہانیہ کو کھڑے دیکھا تو اسکی طرف لپکا۔ چلو شکر ہے کسی نے تو پہچانا۔

''ارے ہانیہ آپ؟ آ جائیں ہمیں جوائن کریں۔ سوری میں آپ دیکھ نہیں پائی۔'' کافی کا سپ لے کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو مصنوعی حیرت چہرے پر سجائے وہ بولیں۔ ہانیہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر چپ کر گئی۔

''آپ کا دھیان کہیں سے ہٹے گا تو ارد گرد دیکھ سکیں گی نا؟'' ابرو اوپر کو اٹھا کر اس نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے کہا۔ وہاج کے چلتے ہاتھ ایک پل کو تھمے تھے۔ لیکن سر اٹھا کر اس نے دیکھنا گوارا نہ کیا۔ ذلیل کہیں کا!

''ارے اب ایسی بھی بات نہیں! آپ کیلئے تو بڑے سے بڑے انسان بھی گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ چاہنے والے ہزار ہوں تو ادا اور نزاکت آ ہی جاتی ہے۔'' بھاپ اڑاتے کافی کے کپ کے گرد انگلی پھیرتے ہوئے وہ بولی۔ آمنہ کی بات میں چھپا مطلب اور اشارہ وہ جانتی تھی کس طرف تھا۔ حیرت اور بے یقینی سے اس ڈیڑھ فٹی عورت کو دیکھا۔ جو کہنے کو تو وہاج کے کندھوں سے بھی کہیں نیچے آتی تھی اور خواب دیکھو اگلی کے۔ چوہیا!

''مس آمنہ! آپ آڈیٹوریم میں کیوں نہیں گئیں؟'' اس سے قبل کے ہانیہ کچھ کہتی وہاج

پیشانی پر بل ڈالے آمنہ سے مخاطب ہوا۔ جو اسکے یک لخت بدلنے والے تاثرات پر ایک پل کو گھبرائی۔ یہاں وہ اگلے ہفتے ہونے والے دو سیمنار کی بابت پوچھنے آئی تھی۔ چونکہ انتظامیہ کی ہیڈ تھیں، اس لیے مجبوراً وہاج کو اسے برداشت کرنا پڑا لیکن اب اسکے الفاظ اسے شدید اشتعال دلا چکے تھے۔ جبڑے کو بھینچے ہوئے، آنکھیں سکیڑے مس آمنہ کو دیکھا۔

''سر! وہ۔۔۔ مس فوزیہ چلی گئی ہیں۔'' ڈرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی، پھر دوبارہ سے فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''پرویز بخش! دیکھو تمہارے سر زندہ ہیں یا فائلز کے نیچے آ کر ٹپک پڑے؟'' اسے اپنا آپ نظر انداز کیے جانے پر ایسا افسوس لگا کہ پھر بغیر سوچے سمجھے جو دل میں آیا بول دیا۔ وہاج اسکی بے تکی بات پر بس اسے گھور ہی سکا۔

''اللہ نہ کریں! آپ بیوی ہو کر کیسی باتیں کر رہی ہیں۔''

افف آمنہ افف! اداکاری کا ایوارڈ اگر کسی کو دیا جاتا تو وہ یقیناً مس آمنہ کو دیا جاتا۔ کیونکہ سب سے زیادہ حقدار وہی تھیں۔

''چلیں شکر ہے آپ کو یاد تو آیا کہ اس وقت آفس میں ایک عدد انکی بیوی بھی موجود ہے۔ اب مہربانی کریں، اپنا یہ کافی کا مگ اٹھائیں اور باہر جائیں۔ مجھے اپنے شوہر سے ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ بھی ہانیہ ابراہیم تھی۔ موقع ہاتھ سے گنوانا اسے کبھی بھی گوارا نہیں تھا۔ بڑی محبت سے اپنے شوہر کہا تھا۔ پرویز بخش کی ہنسی چھوٹ گئی۔ وہاج جو فارغ ہو کر بیٹھا ان دونوں کی نوک جھونک سن رہا تھا پرویز بخش کو ایک سنجیدہ نظر سے دیکھا۔ وہ بیچارہ سوری سر کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''ہانیہ! آپ اس وقت یونیورسٹی سٹوڈنٹ ہیں اور آپ کے سامنے آپ کی اساتذہ بیٹھی

ہیں۔ جو بھی کہنا ہے ان کو باہر بھیجے بغیر کہیں۔'' وہاج کا لیا دیا انداز دیکھ کر نا چاہتے ہوئے بھی اسے رونا آنے لگا۔ وہ تو کبھی اس بات کو خاطر میں نہیں رکھتا تھا کہ وہ کس وقت کہاں بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ تو جب بھی ہانیہ مدد کیلئے پکارتی ہر وقت اسکے لیے حاضر رہتا۔ چھن سے کچھ ٹوٹ کر بکھرا تھا۔ لب کاٹتی چند پل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ دل تو کیا کہ بغیر کچھ کہے وہاں سے چلی جاتی۔ مگر اگر ایسا کرتی تو آمنہ بی بی اس پر یقیناً دھاوا بول سکتی تھی۔ کسی طریقے سے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا اور گہری سانس خارج کر کے بڑی دلفریب مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجائے اس تک آئی۔ اسکا یوں مسکرانا وہاج کو بہت کچھ باور کروا گیا۔

''وہاج! اب ہر بات ہر جگہ شیئر کرنے والی تو نہیں ہوتی نا۔ ہر کوئی ماشاءاللہ کہنے والا نہیں ہوتا۔ پتا نہیں آپ کب سمجھیں گے۔'' اسکے کندھے پر پیار اور نزاکت سے مکا سا مارا۔

''خیر! دراصل رات کو جب ہم ٹائٹینک دیکھ رہے تھے نا تو میرا فون آپ کے کمرے میں رہ گیا اور میں اس مووی کے فسوں میں اس قدر۔۔'' ہانیہ کا لہجہ بڑا ہی دلفریب تھا۔ وہ ایک پل کو سٹپٹا گیا۔ حیرت سے اسکی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ''یہ کب ہوا؟'' جب پھر بھی وہ چپ نہ ہوئی تو اس نے ہاتھ پکڑ آنکھوں سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ مبادہ مزید کچھ گل افشانی نہ کر دیتی۔ دوسری طرف آمنہ کا چہرہ غصے اور بے عزتی سے لال پیلا ہو گیا۔ پھر وہ ایک منٹ بھی نہ رکی وہاں۔ کافی کا کپ میز پر پٹخ کر یہ جا وہ جا ہوئی۔

''یہ سب کیا تھا ہانیہ؟'' آمنہ کے جاتے ہی اس نے سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

''یہی تو میں بھی پوچھنا چاہتی ہوں! یہ سب کیا ہے؟'' سینے پر بازو لپیٹ کر اس نے الٹا سوال کیا۔

''تمہیں آخر تکلیف کیا ہے ایک دفعہ بتا دو مجھے؟ چاہتی کیا ہو تم؟'' کرسی کا رخ اسکی

طرف کر کے وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں کیا چاہتی ہوں؟'' وہ چیخ پڑی۔ شکر تھا کہ دروازہ بند تھا۔ وہاج نے اسے بازو سے پکڑا۔

''آہستہ بولو! تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے یہ! میرا آفس ہے۔'' اس نے اتنی سختی سے اسکا بازو پکڑا کہ ہانیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''یو نو واٹ! مجھے آپ سے نکاح کرنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جو آپ سے نکاح کروالیا۔'' آنسوؤں کے بیچ وہ روتے ہوئے بولی۔

وہاج کی گرفت ایک دم ڈھیلی پڑی۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر طنزیہ مسکرا کر اسکی طرف دیکھا۔

''ہاں جانتا ہوں۔ تم تو پہلے ہی غضنفر کی جگہ مجھ سے نکاح کرنے پر پچھتا رہی تھی۔ اگر میں راستے میں نہ آتا تو اب تک تم اپنے سابقہ ہونے والے شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہی ہوتی۔ بہت زیادہ معذرت جو تمہاری راہ میں روڑے اٹکانے آ گیا۔'' اسکا لہجہ سرد اور طنزیہ تھا۔ بے یقینی اور بے بسی میں وہ بولتا گیا یہ جانے بغیر کہ اسکا ہر لفظ ہانیہ کے دل و دماغ پر ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

''شٹ اپ۔''

''یو شٹ اپ! اینڈ گیٹ لاسٹ۔'' وہاج نے سرد ٹھہرے الفاظ میں کہا اور ساتھ دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔

ہانیہ اس دفعہ روئی نہیں بلکہ اسکے غصے میں شدید اضافہ ہوا، اور کہیں بے یقینی اور بے بسی در آئی۔

”آپ چلتی پھرتی ساس نہیں، چلتے پھرتے ریڈ فلیگ ہیں۔اور میں عقل کی اندھی، لعنت ہے مجھ پر۔“ ہانیہ غصہ ضبط کرتے ہوئے نفی میں سر ہلاتی دروازے تک گئی مگر نجانے کیا سوجھی کہ واپس مڑی اور اسکے مقابل آ کر اسکی آنکھوں میں دیکھ کر غرائی۔

”غلطی سے بھی اب اپنی منحوس شکل میرے سامنے مت لانا وہاج ارتضیٰ! اگر تم ریڈ فلیگ ہو تو یقین کرو میری رگوں میں ابراہیم پاشا کا خون دوڑتا ہے۔ میں گاؤں کی لڑکی ہوں، مجھے ان پڑھ اور گنوار بننے پر مت اکساؤ، یو نو واٹ! میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، میرے سامنے مت آنا۔ ورنہ پہلے تمہارا قتل کروں گی، پھر تمہاری چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کروں گی اور پھر چیل کوؤں کو کھلاؤں گی اور جب تک۔۔۔“ انگلی کے اشارے سے اسے وارن کرتے ہوئے وہ مزید بولی۔

”جب تک وہاں سے ہلوں گی نہیں جب تک ایک ہڈی بھی سلامت نہ رہے گی۔“

اُف! ایک ہانیہ اور ایک اسکی لرزا دینے والی منظر نگاری۔ وہاج کو سب کچھ امیجن ہوا تو پورا جسم ایک دفعہ سنسنا اٹھا۔ پھر وہ مزید وہاں رکی نہیں۔ اب اسے رونا تھا۔ بہت سارا رونا تھا۔ اسے کوئی کندھا چاہیے تھا اب رونے کیلئے۔ اگر مزید وہاں رکی رہتی تو اسی کے کندھے سے لگ کر اسی کے لیے رونا شروع کر دیتی اور اسی کو اسکی شکایتیں لگاتی۔

☆......☆......☆

اسکا انتظار کیے بغیر ہی وہ آج نکل آئی۔ گیارہ بجے ہی سمیشن کے بعد وہ فارغ ہو چکی تھی۔ یہ تو یونہی دماغ کی دہی کرنے اسکے آفس جا پہنچی تھی۔ آج شاید قسمت بھی اسکے حق میں تھی جو گیٹ سے نکلتے ہی کیب مل گئی۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ گھر پہنچ چکی تھی۔ سارا راستہ ہی آنسوؤں میں گزرا۔ بار بار وہاج کے الفاظ اسے زمین میں دھنسائے جاتے۔ گھر پہنچی تو

گہری خاموشی نے اسکا استقبال کیا۔ آج سفینہ بیگم نے اپنے کسی رشتے دار کے ہاں جانا تھا۔ سو وہ گھر پر موجود نہ تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں گئی۔ جاتے ہی بیگ میز پر پٹخا۔ پانی کیلئے ہاتھ بڑھایا تو جگ خالی پڑا تھا۔ اس وقت پنکی کو آواز دینے کا بھی فائدہ نہ تھا۔ وہ تین بجے آتی تھی۔ سینڈل اتار کر بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا کیا، دوپٹے کو کندھے پر لے کر کچن میں چلی گئی۔ جہاں قدم رکھتے ہی اسے پچھتاوا ہوا۔

سامنے وہ بیٹھا بریانی ٹھونس رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کڑوا سا منہ بنا کر سنک کی طرف چلی گئی۔ وہاج بھی اسے نظر انداز کر کے کھانا کھاتا رہا۔ خود کو کوسنے کے علاوہ اب کوئی آپشن بچا نہیں تھا سو اپنا کام کرنے لگی۔ پہلے جگ کو دھو کر خشک کیا اور پھر کیبنٹ میں رکھ کر فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔ جب تک وہاج کھانا کھا چکا تھا۔ شاید وہ اس سے پہلے ہی آچکا تھا۔ ویسے بھی کیب میں اور فار چونر میں اچھا خاصہ فرق تھا۔ ظاہری بات تھی وہ جلد ہی آ گیا تھا۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔" منٹ میں وہاں کھڑے اس نے ایک فیصلہ کیا اور کچھ سوچتی ہوئی اسکی طرف مڑی۔ وہ جو ہاتھ دھونے کیلئے اٹھنے لگا تھا دوبارہ سے بیٹھ گیا اور گھڑی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"جلدی کہو جو کہنا ہے! میرے پاس وقت نہیں۔" مصروف سا انداز تھا اسکا۔

"کیوں؟ مرنے والے ہیں آپ؟" نا چاہتے ہوئے بھی اسکی زبان پھسل گئی۔ وہاج نے بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"خیر! میں کہنا چاہتی تھی کہ مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا۔ یہاں میں ایڈجسٹ نہیں کر پا رہی۔ تو۔۔۔" سینے پر بازو لپیٹ کر اس نے مدعے کی بات کی۔

"آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے کہ مس ہانیہ ابراہیم! آپ میرے ساتھ نہیں رہ رہیں۔

آپ میرے گھر میں رہ رہی ہیں۔'' وہاج نے اسکی بات کی تصحیح کی تو وہ آگ برسانے والی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''بڑے ہی کوئی چول قسم کے انسان ہیں آپ! پہلے زبردستی مجھے یہاں لے کر آئے اور اب آپ جتا بھی رہے ہیں۔'' اخیر بے عزتی تھی۔ کمر پر ہاتھ رکھ کر اس نے دو دو ہاتھ کرنے کا سوچا اور میدان میں کود پڑی۔ اسکی بات سن کر ایک تکلیف دہ احساس اسکے چہرے سے ہو کر گزرا۔

''پہلے آپ کے پچھتاوے تک ہی رسائی تھی، اب تو باقاعدہ عینی شاہد بن چکا ہوں۔'' وہاج کی بات میں چھپی تکلیف وہ جان تو نہ پائی مگر اسکے الفاظ نے اسے دوبارہ جلتے کوئلوں پر لٹا دیا۔

''عینی گئی تیل لینے! میرا دماغ پہلے ہی آپ بہت کھا چکے۔ حد ہے بھئی، مجھے بلاوجہ کے الزامات نہیں پسند وہاج ارتضیٰ! اگر کوئی ثبوت ہے تو سیدھے اور صاف الفاظ میں کہیں ورنہ۔۔'' ورنہ سے آگے وہ کچھ نہ بول پائی۔ کیونکہ وہ اسکی دھمکی پر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ورنہ کیا؟ ہاں۔۔ کیا کر لو گی تم؟'' وہ اسکے مقابل آ کھڑا ہوا۔ سرد نگاہیں اسکے چہرے پر گاڑے وہ اسکے مقابل کھڑا تھا۔ ہانیہ ڈرتی تین چار قدم دور ہوئی۔ وہ تو شکر تھا کہ کسی فلمی سین کی طرح پیچھے دیوار نہیں تھی۔

''آپ مجھے ہر وقت یوں بے عزت نہیں کر سکتے۔'' اندر سے وہ سکڑی جا رہی تھی۔ کیا تھا جو صبر کر لیتی۔ لیکن اپنے ایم فل کا بھرم رکھنا تھا۔ اٹھارہ سال زندگی کے اس لیے تو نہ خجل خوار ہوئی تھی کہ ہر کسی کی جی حضوری کرتی۔

''آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے آپ آفس میں حساب برابر کر کے آئی تھیں۔ ابھی بھی

زبان کے جوہر نہیں رک رہے۔" ہانیہ کو لگا جیسے اسکے رویے میں بدلاؤ سا آیا تھا، اسکی آنکھیں۔ان میں نرمی کی جھلک دکھائی دی تو ہانیہ نے بے اختیار تھوک نگلا۔اسے لڑنا تھا۔ وہاج صرف لڑتا ہوا ہی اچھا لگتا تھا۔اسکا کوئی اور روپ! اس نے بے اختیار جھرجھری سی لی۔

"دیکھیں! آپ ایک اچھے انسان ہیں۔مجھ سے نا دور رہ کر بات کریں۔ورنہ اماں کو بتا دیا تو خوامخواہ لتر پریڈ ہو جانی آپ کی۔" اسے سمجھ نہ آرہی تھی کہ سامنے کھڑے جلاد کے شر سے کیسے محفوظ رہتی۔پھر جو زبان پر آیا کہہ دیا۔

وہاج کا دل کیا اپنا سر دیوار کے ساتھ جا کر دے مارے۔وہ لڑکی کہنے کو اسکی بیوی تھی مگر اسکا بات کرنا بعض اوقات اسکے غصے کو بڑھاوا دے جاتا۔سر جھٹک کر وہ مڑ گیا۔اس لڑکی سے بات کرنا بے کار تھا۔وہ دونوں ہی سمجھ نہیں پار ہے تھے کہ آخر ان کے درمیان کیا مسئلہ تھا۔کبھی ایسے نہ ہوا تھا وہ دونوں کسی ایک جگہ سلوک اتفاق سے بیٹھے ہوں اور اسی اتفاق کے ساتھ وہاں سے اٹھے بھی ہوں۔

☆......☆......☆

شام کو وہ تھوڑا جلدی ہی گھر آگیا۔سفینہ بیگم اور وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھیں کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔اسکے آنے پر وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہ۔وہیں ڈھیٹوں کی طرح بیٹھی رہی۔

"اماں! پرسوں میرے دوست کا نکاح ہے تو آپ تیار رہیے گا۔میرے ساتھ جانا ہے آپ نے۔" تھری سیٹر صوفے پر وہ دونوں پہلے ہی براجمان تھیں۔سنگل صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔سفینہ بیگم نے برا سا منہ بنایا۔

"ارے بیٹا، اب میری جان چھوڑ دو، بوڑھی ہڈیاں ہیں میرے سے نہیں ہوتا سفر۔تم ایسا

کرنا ہانی کو ساتھ لے جانا۔ ویسے بھی آگے بھی تو اسی نے جانا ہے نا تو ابھی سے ہی لے جاؤ۔''
انکی منطق پر ہانیہ اور وہ دونوں چونک گئے۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ آثار تو نہیں تھے مستقبل میں کسی شادی پر اکٹھے جانے کے۔

''مجھے تو کوئی ایشو نہیں۔ ان سے پوچھ لیں۔'' وہ تم سے آپ پر آ چکا تھا۔ رکھائی سے بولا تو ہانیہ نے دانت پیسے۔

''سوری اماں! ابا کو پسند نہیں ہے میرا یونہی منہ اٹھا کر کہیں بھی چل دینا۔ میں نہیں جا پاؤں گی۔'' ٹی وی بند کر کے انہیں کہتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ویسے بھی انکی ایک کولیگ ہیں۔ وہ بہت اچھی کمپنی دیتی ہیں۔ اگر بندہ تھک جائے تو کافی بھی اچھی بناتی ہیں۔ انہیں ساتھ لے جائیں۔ میرا وہاں کیا کام بھلا۔'' کندھے اچکا اس نے پہلا تیر چلایا۔ جو سیدھا نشانے پر لگا تھا۔ ایک زہر بھری نظر اس نے ہانیہ کی طرف اٹھائی۔ مگر اسکے کچھ کہنے سے پہلے ہی سفینہ بیگم بول اٹھیں۔

''ارے بیٹا! ٹینشن نہیں لیا کرو۔ تمہیں پتا ہے نکاح کی سب سے خوبصورت چیز کیا ہوتی ہے۔ آپ اپنے شوہر کو کسی اور عورت کے ساتھ دیکھیں تو جل بھن جاتے ہیں۔ تم فکر نہیں کرو ایسی ہزاروں آتی ہیں۔ جو تمہارا ہے وہ تمہارا ہی رہے گا۔'' سفینہ بیگم کی بات پر وہاج نے بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ دبائی۔ ہانیہ نے لاحول پڑھتے ہوئے برا سا منہ بنایا۔

''جو بھی ہے اماں! ابا نہیں مانیں گے اور ویسے بھی مجھے خود نہیں پسند کسی کے دوست کی شادی میں جانا۔'' جانا نہ جانا الگ بات تھی۔ مگر اس منع منائی میں وہ اچھا خاصا روڈ ہو چکی تھی۔ سفینہ بیگم کا چہرہ اتر گیا۔ وہ کیا کیا سوچتی تھیں اور ہانیہ اپنی جذباتیت کی وجہ سے ہر دفعہ کوئی نہ کوئی خرابی کر دیتی۔ ان دونوں کو آپس میں بحث کرتے دیکھ کر وہاج نے بیچ کی راہ نکالی۔

جیب میں ہاتھ ڈالا اور موبائل نکال کر کسی کا نمبر ملانے لگا۔ ہانیہ نے سرسری انداز میں اسے دیکھا۔ کر رہا ہوگا کسی چھپکلی کو فون۔ ہونہہ!۔ مگر دوسرا ہی لمحہ اسکے لیے شدید حیرت کا باعث بن گیا۔ جب اسے ابراہیم پاشا سے بات کرتے ہوئے سنا۔ وہاج نے ابراہیم پاشا کو کال ملا کر فون سپیکر پر ڈال دیا تھا۔

''السلام علیکم چودھری صاحب! کیسے مزاج ہیں؟'' معمول کے مطابق اسی لقب سے پکارتے اس نے انکا حال چال دریافت کیا۔ سفینہ بیگم بھی اسکی حرکت پر مسکرادیں۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو ٹھیک کرنا جانتے تھے۔ جو ذرا لائن سے ہٹتا دوسرا کوئی نئی ترکیب ڈھونڈ کر اسے سیدھا کرتا۔

''اللہ کا شکر ہے۔ ماں جی کا سنائیں۔ کہیں ہمارے ہاں کا چکر ہی لگائیں۔ اماں بہت یاد کرتی ہیں آپ دونوں کو۔'' وہ چکنی چپڑی باتوں سے اسکے ماں باپ کو شیشے میں اتار رہا تھا۔

''جی جی خیریت ہی تھی۔ وہ دراصل میرے دوست کا نکاح ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہانیہ کو ساتھ لے جاؤں؟'' کہتے ساتھ ہی اس نے ہانیہ کی طرف دیکھا۔ مسکراتا چہرہ تھا یا طنزیہ ہنسی، وہ سمجھ نہ سکی۔ مگر اسکا دل ضرور کیا تھا کہ اسکا منہ نوچ لیتی۔ ذلیل کہیں کا۔

''ارے بیٹا! یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ ہانیہ تمہاری امانت ہے۔ تم اسے لے کر جاسکتے ہو۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' ابراہیم پاشا کے بجائے ندرت بیگم بولیں تو وہ جواباً کوئی تاویل یا بہانہ کر کے منانے والی تھی اپنی ہٹلر ماں کی آواز پر لب سی گئی۔

''اچھا نہیں لگتا ماں جی! اسی لیے آپ سے اجازت طلب کی۔'' وہ لگاتار طنزیہ مسکراہٹ سجائے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ہانیہ دل ہی دل میں صلواتیں پڑھنے لگی۔ کبھی ایسے نہیں ہوا کہ اماں ابا نے میری بھی مانی ہو۔ یقیناً کوئی جادو کیا ہے اس کلموہے نے۔

”جی ٹھیک ہے۔ضرور! جی اللہ حافظ۔“ کال ڈسکنیکٹ کر کے اس نے پیچھے ہو کر ٹیک لگا لی، اور بڑی پھرتی سے ایک آنکھ دبائی۔ ہانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اسے کچا چبا جاتی۔

☆......☆......☆

دو پہر کا ایک بجنے والا تھا اور وہ ابھی تک گھر والے کپڑوں میں ہی پھر رہی تھی۔ وہاج خاموشی سے اسکی یہ حرکت محسوس کرتا رہا۔ مگر اب اس نے بھی ضد نہ کی۔ جب گھر آیا تو کھانا کھا کر چپ چاپ اپنے کمرے میں تیار ہونے چلا گیا۔ واپس آیا تو حیرت کا شدید ترین جھٹکا لگا۔ کیونکہ حاجرہ اسے میک اپ کر چکی تھی۔ اب اسے ہاتھ میں جوڑا پکڑائے اندر گھسیٹ رہی تھی۔

”بکواس نہیں کرو ہانی اور دفعہ ہو اندر! تم نے کچھ زیادہ ہی ایزی لے لیا ہے سب کو۔ ہر کسی کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہو تم۔“ تین چار دن قبل اس نے میسج کیا تھا آنے کا۔ وہ آ چکی تھی اور آتے ہی اپنی دوست کے کان بھی کھینچ چکی تھی۔ وہاج اسکی تیاری کی وجہ سے وہیں لاؤنج میں کچھ دیر بیٹھ گیا۔

”اور سنائیں جیجو جی! کیسی گزر رہی پھر زندگی؟“ ہانیہ کو اندر بھیج کر وہ اسکے سامنے والے صوفے پر جا بیٹھی اور مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

”بس گزار رہا ہوں۔ جہاں ہانیہ جیسی چڑیل اور جلاد قسم کی عورت ہو وہاں زندگی پھر کیسی بھی گزر سکتی ہے۔“ اسکی مسکین شکل پر حاجرہ خوب ہنسی۔

”آہا! لگتا ہے ہماری بہن نے کافی پرسکون ماحول رکھا ہوا ہے گھر کا۔“ اس نے مسکراہٹ دبا کر کہا تھا تو وہاج بھی اسکی بات پر مسکرا دیا۔

”ایسا ویسا۔“ وہ دونوں ہی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور وہ ہلکے

آسمانی رنگی ساڑھی پہن کر باہر نکلی۔ بال ابھی ڈھیلے جوڑے میں قید تھے۔ ساڑھی کے کنارے اور پلو پر ہلکے گلابی اور سنہری رنگ کا کام ہوا تھا۔ ہاتھوں میں سادی ہلکے گلابی رنگ کی چوڑیاں پہنے، کہنے کو ابھی اسکا ہار سنگھار پورا نہ ہوا تھا مگر یہ ادا ہی سامنے بیٹھے وہاج کو کچھ پل کیلئے گنگ کر گئی۔ وہ عام حالات میں ہی ماسی لگتی تھی۔ کام دار جوڑے میں تو وہ بھی حسینہ لگ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ حاجرہ اسے دیکھتا ہوا پکڑ لیتی اس نے فوراً اپنا تسلسل توڑا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہانیہ! جلدی کریں! عصر کے بعد نکاح ہے اور ہم یہیں سے لیٹ ہو چکے ہیں۔" ہاتھ پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تو پونے تین ہو رہے تھے۔ مصروف سے انداز میں بظاہر سرسری نظر اس پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔ ہانیہ جس کا ابھی حجاب وغیرہ رہتا تھا محض اسے جلانے کیلئے باہر آئی تھی۔ مگر وہ تو دیکھے بغیر ہی جا چکا تھا۔ لب مٹکائے وہ واپس ہولی۔ جب تک حاجرہ اسکا حجاب استری کر لائی۔ ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑھی کے نیچے سنہری رنگ کے کوٹ شوز تھے، گلابی چوڑیاں تھیں۔ اسی مناسبت سے میک اپ بھی ہوا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کا حجاب بڑے سٹائلش طریقے سے لیا کہ سینہ بھی ڈھک گیا اور فیشن بھی پورا ہو گیا۔ باہر آئی تو سفینہ بیگم اسے دیکھتے ہی صدقے واری جانے لگیں۔ پھر ان دونوں کی نظر اتار کر قریباً تین سوا تین تک رخصت کیا۔

☆......☆......☆

تقریب میں پہنچتے پہنچتے انہیں چار بج گئے تھے۔ گاڑی کو ایک خوبصورت گھر کے سامنے روک اس نے ہارن دیا۔ تھوڑی دیر گزری کہ دروازہ کھولا گیا۔ خوبصورت راہداری سے گزرتے ہوئے گاڑی پورچ میں جا رکی۔ وہ پہلے خود نکلا پھر اسکی طرف آیا اور دروازہ کھول کر اپنا ہاتھ آگے کیا۔ ایک دفعہ اسے دیکھ کر اس نے آہستگی سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک ہاتھ سے

ساڑھی کو سنبھالتے ہوئے وہ نیچے اتری۔

"آرام سے۔" اسکا پاؤں ذرا سا لڑکھڑایا تو وہ فوراً فکرمندی سے بولا۔

"آگئے جناب!" ایک خوبرو نوجوان انکی طرف آتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں مصافحہ کرتے ہوئے گلے ملے۔ پھر وہاج نے اس سے ہانیہ کا تعارف کروایا۔

"میٹ مائی وائف۔۔ ہانیہ ابراہیم! یہ میرے دوست ہیں زین العابدین۔" وہاج نے نرمی سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے تعارف کروایا۔ اور پھر آہستگی سے اپنے دوست کا تعارف کروایا۔ آج تو صاحب بہادر کے طور طریقے ہی الگ تھے۔ وہ اندر ہی اندر حیران ہو رہی تھی۔ بھلا وہاج جیسا کھڑوس انسان بھی محبت بھری نظروں سے دیکھ سکتا تھا۔

"السلام علیکم بھابی!" سینے پر عقیدت سے ہاتھ رکھ کر اس لڑکے نے سلام کیا۔ ہانیہ نے بھی مسکرا کر سر ہلا دیا۔

"آجائیں اندر! بس آپ ہی کا ویٹ ہو رہا تھا۔"

ان دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ وہاج اسکا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔ آہستگی سے قدم اندر بڑھائے تو ہانیہ بھی اسکی تقلید میں چل دی۔ وہاں لوگوں کا ہجوم ہرگز نہ تھا۔ محض چند قریبی رشتے دار تھے اور چند ایک دوست۔ ہانیہ کو زین کی بہن زوہا کے پاس بٹھا کر وہ خود اپنے دوستوں کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ نکاح سے آدھے گھنٹے بعد دروازے پر ہارن دیا گیا۔ زین انہیں ایکسکیوز کر کے مین گیٹ کی طرف چلا گیا اور اپنے مہمان کو لیے اندر آیا۔ مگر آنے والے مہمان کو دیکھ کر وہ دونوں جہاں کے تہاں رہ گئے۔ غضنفر محمود بڑے کروفر کے ساتھ ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ وہاج جو اپنے دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ نکاح زین اور اسکی بہن کا تھا۔ زوہا کے سسرال والے جا چکے

تھے جبکہ زین کے سسرال والے ابھی یہیں تھے۔شاید انکے نہ جانے کی وجہ بھی غضنفر تھا۔ہانیہ کی نظر غضنفر پر پڑی تو اندر تک لرز گئی۔بے اختیار وہاج کو دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔وہ زوہا کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی۔یہاں سے اٹھنا اسے مزید کسی آکورڈ سچویشن میں ڈالتا اس لیے اٹھنے کا ارادہ ملتوی کیا اور وہیں بیٹھی رہی۔غضنفر زین کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔زوہا کے پاس آکر وہ دونوں رک گئے۔دلہن بنی زوہا کے سر پر پیار دیا اور جیب سے ایک نوٹوں کی گڈی نکال کر اسکی گود میں رکھ دی۔مگر کسی احساس کے تحت اسکی نظر ساتھ بیٹھی ہانیہ پر پڑی تو وہ بے اختیار اسے دیکھے گیا۔اسکے چہرے پر بے یقینی کے تاثرات تھے۔جلد ہی یہ بے یقینی لجاجت میں بدلی۔

''زین العابدین صاحب! اپنے ان خوبصورت مہمانوں سے تعارف نہیں کرواؤ گے میرا۔'' نظریں ہانیہ کے چہرے پر گاڑے وہ بولا تو پیچھے کھڑے وہاج نے سختی سے جبڑے بھینچے۔قدم قدم چل کر وہ ان تک آیا۔ پیچھے سے اسکے کندھے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا تو غضنفر ایک دم پلٹا، وہاج پورے قد سے اسکے عین سامنے کھڑا تھا۔

''اوہ ہاں! یہ میری بھابی ہیں۔میرے دوست وہاج ارتضٰی کی بیوی، بھابی! یہ میرے ابو کے دوست کے بیٹے ہیں۔غضنفر محمود۔'' زین جو وہاج اور غضنفر کی سرد آنکھوں کی جنگ پر الجھن کا شکار ہو رہا تھا ایک دم آگے بڑھا اور اسکا تعارف کروانے لگا۔ہانیہ اسکے تعارف پر سر بھی نہ ہلا سکی۔عجیب گھٹن زدہ ماحول ہو گیا تھا۔

''آپ کو یہاں دیکھ کر بہت اچھا لگا۔'' کہتے ہی اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ہانیہ بے اختیار وہاج کو دیکھنے لگی۔ہاتھوں کو سختی سے بھینچے رکھا۔

''خیر!'' ہاتھ کو پیچھے کرتے ہوئے وہ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

کچھ دیر بعد وہاج نے زین سے اجازت طلب کی لیکن اس نے ڈھٹائی سے منع کر دیا اور اصرار کیا کہ کھانا کھا کر جائے۔ ناچاہتے ہوئے بھی اسے رکنا پڑا۔ ہال میں ہی ایک طرف کھڑا وہ کسی کا فون سن رہا تھا کہ ہانیہ اسکے پاس چلی گئی اور بڑی آہستگی سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسکا ہاتھ پکڑ لیا۔ جیسے بھیڑ میں کوئی بچہ اپنی ماں کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے کہ کہیں گم نہ ہو جائے۔ وہ بھی ایسے ہی ایک بچے کی طرح اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ وہ جو دوسری طرف کسی کی بات سن رہا تھا ایک دم حیران ہو کر چہرہ موڑا تو پاس اسے کھڑے پایا۔ ابرو سوالیہ اٹھا کر اسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ کیا ہوا؟ ہانیہ نفی میں سر ہلاتی دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"ہانیہ! کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک ہے؟" فون بند ہوا تو اس نے فوراً پوچھا۔ جبکہ ہانیہ اندر تک سہمی ہوئی تھی۔

"وہاج! گھر چلتے ہیں۔ مجھے یہاں مزید نہیں رہنا۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔" بڑی معصومیت سے اس نے اپنے دل کا حال کہہ سنایا۔ آنکھوں میں چھپا خوف دیکھ کر وہاج نے گہرا سانس لیا۔ اسے کہیں سے بھی اسکی آنکھوں میں غضنفر کیلئے چمک دکھائی نہ دی۔

"پاگل لڑکی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر ڈرنے والی کیا بات ہے؟" اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بولا۔ وہ دونوں اس وقت کہیں سے بھی ہر وقت کی چخ چخ کرنے والی نہیں لگ رہے تھے۔ اس وقت وہ دونوں ہی میڈ فار ایچ ادر لگ رہے تھے۔ دور کھڑے غضنفر نے غصے کی شدت سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"آپ نہیں جانتے، یہ غضنفر کس قماش کا بندہ ہے۔ ہر وقت کوئی نہ کوئی سازش اسکے دماغ میں چل رہی ہوتی ہے۔ آپ پلیز گھر چلیں۔" وہ بضد ہوئی تو وہاج کو سرنڈر کرنا پڑا۔

"اچھا ٹھیک ہے! تم یہی رکو میں زین سے بات کر کے آتا ہوں۔" اسکے گال آہستگی سے

چھپا کر وہ زین کی طرف بڑھ گیا۔ دوسری طرف کھڑے غضنفر نے ناجانے اپنے پاس سے گزرتے ویٹر سے کیا کہا کہ وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر گزری کہ وہاج نے اسے آواز دی۔ وہ اسکی طرف بڑھنے لگی تھی کہ راستے میں آتے ویٹر نے بظاہر غلطی سے ہی لیکن آئسکریم کا ٹرے اس پر الٹ دیا۔

''اوہو! بدتمیز۔۔ دیکھ کر نہیں چل سکتے۔ سارے کپڑوں کا نست مار دیا۔'' ہاتھ سے صاف کرتی وہ غصے سے بولی۔

''اب ہٹو سامنے سے۔'' سینے پر ساری آئسکریم لگ چکی تھی۔

''آئم سوری میم! ریئلی سوری۔ میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ غلطی سے ہو گیا۔'' ویٹر پر غصہ تو بہت تھا مگر اسکے معافی مانگنے پر سر جھٹک دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ اب۔'' ہاتھ سے کریم ہٹاتے ہوئے وہ فرسٹریٹ ہو رہی تھی۔ وہاج اور زین بھی اس کی طرف لپکے۔

''بھابی! سوری فار دیٹ، آپ ایسے کریں ریسٹ روم میں جا کر فریش ہو جائیں۔'' زین دل معذرت خواہ تھا۔ اس نے بے بسی سے پاس کھڑے وہاج کو دیکھا۔ اسکے دیکھنے پر وہاج نے اسے کام رہنے کا اشارہ کیا۔

''آ جائیں آپی!'' زوہا بھی سنوری بیچاری اس کے پاس آئی۔

''نہیں تمہارا دن ہے آج۔ اسے میری وجہ سے سپائل نہیں کرو۔ بس مجھے بتا دو واش روم کس طرف ہے میں خود چینج کر لوں گی۔'' اسے پسند نہ آیا تھا زوہا کیلئے بدمزگی کی وجہ بننا۔ ویسے بھی وہ پوری فیملی ہی اسکی طرف آ گئے تھے تو اس نے مزید کوئی ایسا تاثر نہ دیا جس سے انکے دل ٹوٹتے۔

زوہا اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ تھوڑی دیر گزری کہ کسی کے بلانے پر وہ ناچار باہر آ گئی۔ قریباً دس منٹ کی لگاتار محنت تھی جس کے بعد اسکی ساڑھی تھوڑی ٹھیک ہوئی۔ لیکن پھر بھی جگہ جگہ سے پیلی پڑ چکی تھی۔ اسے بہت غصہ آیا ویٹر پر۔ کیا تھا انسانوں کی طرح چلتا۔ اتنی محبت سے دی تھی اماں نے۔ اگر وہ ساڑھی کی یہ حالت دیکھتیں تو یقیناً انکا دل ٹوٹ جانا تھا۔ خوب تسلی کر کے جب وہ باہر آئی تو کمرے میں آ کر ایک دم زمین آسمان اسکے اردگرد گھوم گئے۔ سامنے بیڈ پر غضنفر محمود آڑھا ترچھا ہو کر لیٹا ہوا تھا۔ اسکے دیکھنے پر ہتھیلی پر سر رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔ چہرے پر شیطانیت بھری مسکراہٹ تھی۔

''اوہ! ارے آپ۔۔۔ کیا خوبصورت اتفاق ہے بھئی۔ داد دینی پڑے گی اس بیرے کو۔'' اس نے انجان بننے کی اداکاری کی۔ ہانیہ کے چہرے کی رنگت متغیر ہونے لگی۔ وہ اسکی باتوں سے سمجھ گئی کہ یہ سب اسکی سازش تھی۔

''یہ سب تم نے کیا ہے نا؟ بتاؤ۔۔۔ تمہیں شرم نہیں آتی کسی کے ساتھ ایسے کرتے ہوئے؟'' اسکے گلے میں آنسوؤں کا ایک پھندا سا لگ گیا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلا کر دروازے کی طرف گئی۔ اس جیسے کمینے اور لوفر انسان سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی تھی۔ بحث کو بیکار سمجھ کر اس نے دروازہ کھولنے کو ہاتھ بڑھائے، مگر دروازہ باہر سے لاک تھا یا کسی نے پکڑا ہوا تھا۔ اس نے پیروں تک زور لگا دیا مگر نہ دروازہ کھلا نہ اس نے کھلنا تھا۔

خوف، بے یقینی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے مڑ کر اس نے غضنفر کو دیکھا۔

''کیا ہوا؟ نہیں کھلا۔ چلو دوبارہ سے ٹرائی کرو۔ بار بار کوشش کرنا انسان کو کامیاب کر ہی دیتا ہے۔'' غضنفر کی چال تھی یہ سب۔ وہ سمجھ چکی تھی۔ لیکن اب دروازہ اگر نہ کھلتا تو وہ اس صورتحال میں بہت برا پھنسنے والی تھی۔ دوسری طرف وہاج کو پریشانی ہونے لگی تو زوہا سے

واش روم کے بارے میں پوچھتا اسی طرف آ گیا۔ ہانیہ نے دوبارہ سے دروازے کو پیٹا اور اونچی اونچی آواز سے مدد طلب کی۔ دروازے تھوڑے پرانی طرز کے بنائے گئے تھے۔ جن کے اندر صرف چٹخنی تھی اوپر چڑھانے کیلیے، جبکہ جو لاک تھا دونوں اطراف، اسکے لیے چابی کی ضرورت تھی۔ جو یقیناً غضنفر کے پاس تھی۔ جب کچھ نہ ہو سکا تو اسکی طرف مڑی۔

''دیکھو! خدا کیلیے دروازہ کھول دو۔ پلیز تمہیں اللہ واسطہ ہے۔'' وہ ہاتھ جوڑے اسکے سامنے کھڑی التجا کر رہی تھی۔ غضنفر اسکی حالت دیکھ کر ہنس دیا۔

''ارے بس کھولنے لگا ہوں، تمہارا نام نہاد شوہر آ چکا ہے۔ ذرا تھوڑی بھیڑ لگنے دو۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔'' چابی اسے دکھا کر وہ اٹھ کھڑا ہوا مگر دروازے کی طرف جانے کے بجائے اسکی طرف آیا اور بڑی کرختگی سے اسکا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا۔

''تم میری نہ ہوئی تو کوئی بات نہیں ہانیہ ابراہیم! لیکن قسم خدا کی تمہیں تمہارے شوہر کے قابل بھی نہیں چھوڑوں گا۔'' اسکے ہاتھ کو بری طرح سے مروڑ کر وہ غرایا۔ ہانیہ تکلیف کے مارے چیخ پڑی۔

جب اسے تصدیق ہو گئی کہ دروازے کے قریب ہجوم لگ چکا تھا تو اس نے آگے بڑھ کر چابی گھمائی اور دروازہ کھول دیا۔ ہانیہ شدتِ تکلیف کے مارے دہری ہوئی پڑی تھی۔ جبکہ دروازہ کھلتے جو شخص سب سے پہلے کھڑا نظر آیا وہ وہاج تھا، سامنے دکھائی دینے والا منظر دیکھا تو ایک پل کو لڑکھڑا گیا۔ ہانیہ پیچھے بیڈ کے ساتھ دہری ہوئی کھڑی تھی۔ وہاج کی نظر ہانیہ سے ہوتے ہوئے خباثت سے مسکراتے غضنفر پر پڑی تو ایک سیکنڈ نہ لگا تھا اسے انسان سے وحشی درندہ بننے میں۔ غضنفر کو گریبان سے پکڑ کر اس نے اندر کی طرف دھکیلا اور اس قدر اسے مارنا شروع کیا کہ چند پل میں وہ پورے کا پورا لہولہان ہو چکا تھا۔

ہانیہ سہمی ہوئی اسے دیکھے گئی۔ نظر اٹھا کر ارد گرد دیکھا تو لوگوں کا ہجوم وہاں لگ چکا تھا۔ اس نے آج تک وہاج کے منہ سے کوئی سخت بات نہ سنی تھی اور اس وقت وہ غضنفر کو گالیاں دے رہا تھا، بے دردی سے اسے مار رہا تھا۔ وہ ایک تہذیب یافتہ مرد تھا اور اسے وحشی درندہ بننے پر غضنفر نے ابھارا تھا اور اب نقصان بھی اٹھا رہا تھا۔

زین کو کسی نے معاملے کی سنگینی کا بتایا تو وہ قصداً ہجوم کے پیچھے چھپا رہا۔ زوہا آگے بڑھی اور اپنی بڑی سی چادر ہانیہ کے گرد لپیٹی۔ اپنے ساتھ لگا کر اسے چپ کروانا چاہا مگر وہ مزید رونے لگی۔ اتنا کہ زوہا کو اسکے رونے پر رونا آ گیا۔

دوسری طرف جب وہ خوب مار چکا اور غضنفر بھی مار کھا کھا کے بے حال ہو گیا تو زین آگے بڑھا اور اسے چھڑانے لگا۔ وہ مار کھاتے ہوئے شاید تھک چکا تھا لیکن وہ مارتے ہوئے نہ تھکا تھا۔ بلکہ اسکا ارادہ غضنفر کو جان سے مار دینے کا تھا۔ جب زین اور ایک دو اور نے غضنفر کو آگے بڑھ کر چھڑایا تو اس سب میں پہلی دفعہ وہ سیدھا ہوا اور اسکی نظر روتی ہوئی ہانیہ پر پڑی۔ جو اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اسکے سینے سے جا لگی اور رونے میں مزید اضافہ ہوا۔ آنسو تھے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ وہاج کی مٹھی پر خون جمنے لگا تھا۔ اسکے گرد بازو لپیٹ کر اس نے ایسے محسوس کیا جیسے کوئی قیمتی شے بڑی محنت سے واپس ملی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا نہ اسے اس بات کا احساس ہو سکا مگر اسکی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔ چند قطرے آنسوؤں کے زمین بوس بھی ہوئے۔ جب وہ رو رو کر تھک چکی تو پیچھے ہوئی۔ وہاج اسکے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسکے آنسو صاف کرنے لگا۔

''جب تک میں زندہ ہوں کسی کی جرأت نہیں تمہیں آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔'' اپنے ہاتھوں سے اسکے آنسو صاف کیے اور اسکے گرد بازو کا حلقہ بنا کر باہر قدم بڑھا دیئے۔

"ہر دفعہ لڑکا ہی غلط نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے لڑکی کا ہی قصور ہو۔" کوئی درمیانی عمر کا آدمی اپنے ساتھ کھڑے شخص کو بڑی آہستگی سے کہہ رہا تھا۔ وہاج اسکے پاس سے گزرنے لگا تو ایک سرد نظر اس پر ڈالی اور پھر مڑ کر ترلے منتیں کرتے ہوئے غضنفر پر۔ وہاج کے دیکھنے کا طریقہ ایسے تھا کہ وہ شخص بے اختیار دو قدم پیچھے ہوا۔

☆......☆......☆

وہاج کیلئے وہ لمحہ کسی قیامت سے کم نہ تھا۔ وہ بار بار اسی ایک لمحے میں مر رہا تھا، گھٹ رہا تھا۔ ہزار کوشش کے باوجود بھی اپنے آپ کو اس اذیت ناک لمحے کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جتنا خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا اسی قدر اس قیامت کے منجدھار میں پھنستا چلا جاتا۔ عشاء کی اذان ہو رہی تھی جب وہ دونوں گھر پہنچے۔ سفینہ بیگم دوائی لے کر سو چکی تھیں۔ پنکی بھی اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی۔ خاموشی پورا راستہ انکے درمیان حائل رہی۔ ابھی بھی وہ دونوں گاڑی سے اترے اور اپنے اپنے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ وہاج اس سے پہلے گاڑی سے نکل آیا اور پلٹ کر اسے دیکھے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اسکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہانیہ چند پل آہستہ روی سے چلتی اسے دیکھتی رہی مگر نہ وہ پلٹا نہ اسے پلٹنا تھا۔ وہاج ارتضٰی کے دل سے آج کوئی شخص بڑی بری طرح اترا تھا اور وہ اترا ہوا شخص اسے اپنا آپ لگا۔ ہانیہ کو لگا شاید وہ وہاج کے دل سے اتر چکی تھی۔ ورنہ بڑے سے بڑے واقعات بھی ہو جاتے وہ یوں نظر انداز کرنے والا انسان تو نہ تھا۔ اس نے تو اس وقت بھی اسے نظر انداز نہ کیا جب اس کے اپنے دل میں ابھی وہ جگہ نہ بنا پائی تھی۔ اب تو حالات بہتر ہو رہے تھے۔

وہ کافی دیر حال میں کھڑی اسکے بند دروازے کو دیکھے گئی۔ ایک دفعہ دل کیا کہ اسکے سامنے جاتی اور اسے اپنے دل کا حال سنا دیتی اور کہہ دیتی کہ اسکے دل میں وہاج ارتضٰی کے علاوہ ہر

شخص مٹ چکا تھا۔ وہ اسے کہنا چاہتی تھی کہ اسکی نفرت اور محبت کے قابل صرف ایک شخص تھا اور وہ صرف اور صرف وہاج ارتضٰی تھا۔ اسکے گلے لگ کر وہ خوب سارا رونا چاہتی تھی اور اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ اکلوتی بیٹی تھی۔ ہزار اثر ورسوخ ہونے کے باوجود ابراہیم پاشا اسکے لیے کوئی بڑا قدم نہ اٹھا پائے، صرف اس ڈر سے کہ اگر بات نکلتی تو انکی بیٹی داغدار ہو جاتی۔ جس قدر ہوسکا انہوں نے بات کو چھپایا اور انکی یہ تدبیر ٹھیک ہونے کے باوجود بھی ہانیہ کیلئے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اسے لگا شاید وہ اس شخص کو گنوا بیٹھی تھی جسے ابھی مکمل وہ پا ہی نہ سکی تھی۔ ابھی دل میں احساس جاگے ہی تھے کہ کسی حاسد کی نظر آڑے آ گئی۔ مرے ہوئے قدموں سے اس نے اپنے دروازے کی ناب گھمائی اور اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

اگلا ہفتہ بہت مصروف گزرا، اسکے فائنلز آ چکے تھے۔ بغیر کسی چھٹی کے لگاتار پرچے تھے۔ روٹین اس قدر بزی رہی کہ وہ سفینہ بیگم کو بھی ڈھنگ سے وقت نہ دے پائی۔ اندر کہیں نہ کہیں وہ اس بات کا شکر بھی ادا کرتی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی شخص اسکے چہرے سے کچھ پڑھ پاتا۔ وہ خود کو بند کتاب رکھنا چاہتی تھی اور صرف اس شخص کیلئے کھولنا چاہتی تھی جو اس حادثے کے دوسرے دن ہی بنکاک جا چکا تھا۔ شروع میں جب اس نے اپنے جانے کا اسے بتایا تو اسے کچھ خاص فرق نہ پڑا تھا اور اب حالات یہ تھے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تین ماہ کیلئے گیا تھا، بار بار اسکی نظر دروازے پر پڑتی۔ ذرا سی آہٹ اسے وہاج کا گمان دیتی۔ جو اپنی کاروباری سرگرمی کی وجہ سے جا چکا تھا۔ لیکن مڑ کر اس نے کال یا میسج کرنے کی ضرورت نہ محسوس کی۔

پرچے ختم ہوئے تو اس نے بھی واپسی کی ٹھانی۔ جب وہ شخص ہی اس سے رابطے ختم کر چکا

تھا تو وہ کیوں اسکے نام پر بیٹھی رہتی۔ سفینہ بیگم اسکی اتری ہوئی شکل کو کئی بار نوٹ کر چکی تھیں اور ہر بار اسے وہاج کی غیر موجودگی سے ہی منسوب کیا۔ وہ دونوں ہر وقت تو لڑتے رہتے تھے شاید اسی لیے وہ اداس رہتی تھی اور چاہتی تھی کہ واپس چلی جاتی۔ ایک آدھ دفعہ انہوں منع کیا مگر پھر اسکی حالت کے پیش نظر حامی بھر لی اور خود ڈرائیور کے ساتھ اسے چھوڑنے آئیں۔ ہانیہ نے جیسے ہی اپنی ماں ندرت بیگم کو دیکھا تو انکے گلے لگ کر خوب روئی جیسے پرانی ساری کسر نکالنی ہو۔ سفینہ بیگم عصر کے وقت واپسی کیلئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ پنکی بھی انکے ساتھ آئی تھی۔ اپنی نٹ کھٹ سی باجی کے گلے لگ کر خوب سارا پیار کیا اور جلد لاہور آنے کا کہہ کر روانہ ہو گئیں۔

ندرت بیگم نے پنکی کیلئے دو سوٹ اور ساتھ کچھ نقدی دی۔ ہنسی خوشی ان کو وداع کیا گیا۔

☆......☆......☆

''ہانیہ!''

دھوپ میں بیٹھیں وہ دونوں نرم گرم سی دھوپ کا مزہ لے رہی تھیں کہ ندرت بیگم بولیں۔ سردیاں اپنے پورے جوبن پر تھیں۔ گرم شال ایک طرف رکھ کر اب انہوں نے سوٹ کے ساتھ والی چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ ہانیہ کی خاموشی کو وہ کافی دنوں سے نوٹ کر رہی تھیں، مگر بات کرنے کا یا تو موقع نہ ملتا۔ اگر مل جاتا تو انہیں سمجھ نہ آتی کس حوالے سے اسکی خیریت دریافت کرتے، جو دن بہ دن کسی پریشانی کے زیرِ اثر متغیر ہوتی جا رہی تھی۔ آج انہیں موقع تو مل چکا تھا۔ اسی لیے لہجے میں محبت سموئے وہ بولیں۔ آنکھیں موندے گہری سوچ میں وہ گم تھی کہ اماں کے بلانے پر چونک سی گئی۔

''جی اماں!'' اب ہر وقت اسکی آواز بھاری رہتی تھی۔ اگر کوئی پوچھتا تو کہتی کہ بدلتے موسم کی وجہ سے ایسے تھا۔ ابھی بھی بھاری آواز کے ساتھ جواب دیا۔

”کیا بات ہے بیٹا؟ میں محسوس کر رہی ہوں پندرہ دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے اور یہ پندرہ دن شاید ہی پندرہ دفعہ تم بولی بھی ہو۔ کیا پریشانی ہے میری جان، اتنی اداس کیوں رہتی ہو؟“ اسکے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر وہ بڑی نرمی سے بولیں۔ ہانیہ ایک دم سیدھی ہوئی۔ شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ وہ بہت غلط کر رہی تھی۔ وہ کسی بھی حال میں انہیں وہ سب بتانا نہیں چاہتی تھی۔

”نہیں اماں! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ یونیورسٹی ختم ہو گئی نا اس لیے اداس رہتی ہوں۔ اب دوستوں کے ساتھ ویسے وقت نہیں گزار پاؤں گی۔ انہی کی یاد آتی رہتی ہے۔“ انکے ہاتھوں کو پکڑ کر بھونڈا سا بہانہ گھڑا تو وہ معنی خیزی سے ہنس دیں۔

”دوست کبھی بھی شوہر کی جگہ نہیں لے سکتے بچے! جو برا حال شوہر کی یاد کرتی ہے وہ دوستوں کی کہاں! اور تمہارے چہرے سے، رنگ ڈھنگ سے صاف ظاہر ہے تمہیں دوستوں کی یاد نہیں ستا رہی بلکہ اسکی ستا رہی ہے جو پچھلے ڈیڑھ ماہ سے بیرونِ ملک میں ہے۔“ ندرت بیگم کا لہجہ بہت گہرا تھا۔ وہ ماں تھیں اور اپنی بیٹی کو بڑے اچھے سے سمجھتی تھیں، دوستوں کے بغیر تو پہلے بھی وہ چھ چھ ماہ گزار دیتی تھی اور جس کی بیٹی اور بیوی تھی انکے لیے ذرا بھی مشکل نہ تھا اسکی دوستوں سے ملوانا۔ اماں کی جانچتی نظروں سے خائف ہو کر اس نے سرنڈر کر دیا۔ ہاں اسے اسی کی یاد نے بے حال کیا تھا۔ اچھا تھا اماں محض اس ایک وجہ کی بنا پر ہی اسے جانچتی، وہ تصویر کا دوسرا رخ انہیں دکھانا ہی نہیں چاہتی تھی۔

”یہ بھی ٹھیک ہے اماں، اب نکاح کروایا ہے یاد تو آئے گی نا۔“ دوبارہ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے وہ ذرا شوخی سے بولی۔ صاف ظاہر تھا اسکی روئی روئی آنکھیں اسکی ہنسی کا ساتھ نہ دے رہی تھیں۔

"اگر تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ لیکن اگر وہاج کو لے کر کوئی اور بات بھی ہے تو تم مجھے بتا سکتی ہو میری جان!" انکی آنکھوں میں چھپا وہ جانچنے کا تاثر ہانیہ کا دل کیا انکے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی۔ لیکن زبان تھی کہ تالو کے ساتھ چپک کر بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

قریباً دو ماہ کا یہ عرصہ یونہی گزر گیا۔ اداس شامیں، گہرے رنج وہ نہ تو کسی کو بتا پاتی، نہ صحیح سے چھپا پاتی۔ لیکن ایک ٹھہراؤ اسکے اندر آچکا تھا۔ وہ ٹھہراؤ اسکی شخصیت کو بڑا بھلا لگنے لگا تھا۔ وقت گزاری کیلئے اس نے گھر کے کاموں میں خود کو مصروف کر دیا۔ نوکرانیوں کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتی، کھانا خود بناتی۔ اب تو اکثر اوقات ابراہیم پاشا کو مل میں کھانا بھی بھجواتی۔ جس دن بھی وہ چکر لگاتے باقاعدہ ٹفن پیک کر کے دیتی اور ہدایت کرتی کہ باہر کا ایک نوالہ نہیں کھانا اور ابراہیم ہنس کر اسکے سر پر چپت لگا دیتے۔

"میری بیٹی میرے لیے اتنا کچھ بنا دیتی ہے میرا ابھی نہیں ختم ہوتا، باہر کا کیا کھاؤں گا۔" ہمیشہ کی طرح انکا یہی جواب ہوتا۔ کہیں نہ کہیں انہیں بھی بیٹی کی دگرگوں حالت پریشان کر دیتی، مگر کیا کرتے ابھی وہاج کی طرف سے کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی اور جب وہ اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے تو فون بند ملتا۔

"ہانیہ بچے! حاجرہ کہہ رہی تھی کہ اگر جانا ہے یونیورسٹی تو مجھے وقت پر بتا دو، شاید اسے کوئی تیاری کرنی ہو۔ بیٹا تم اسے وقت پر بتا دینا۔ ہاں یاد سے۔" وہ اور ابراہیم پاشا پورچ میں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ندرت بیگم انکے پاس آتے ہوئے بولیں۔

"یونیورسٹی! خیریت سے ہی جانا ہے؟" ابراہیم پاشا نے فکرمندی سے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

”ابا! مس روبینہ نے کہا تھا کہ انکے پاس میری ایک دو چیزیں ہیں وہ واپس کرنی ہیں اور آئی ڈی کارڈز بھی واپس کرنے ہیں تو ایک دو دفعہ چکر لگانا پڑے گا۔“ تفن انکی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے تفصیل سے بات کی۔ ندرت اور ابراہیم پاشا نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

”کس کے ساتھ جاؤ گی؟“ اب کہ انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ندرت بیگم بجھے دل واپس ہولیں۔ ہانیہ نے گہرا سانس لیا اور بولی۔

”آپ کے ڈرائیور کے ساتھ۔“

”رکنا تو نہیں پڑے گا؟“

”نہیں ابا! بس آدھے گھنٹے کا کام ہے۔ جیسے ہی ختم ہوگا واپس آجائیں گے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔ حاجرہ کو بلوالو اور لگالو چکر۔“ انہوں نے پوری تفتیش کے بعد رضامندی دی اور اسکا گال تھپتھپا کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

☆......☆......☆

وہ دونوں تیار ہوکر لاہور کیلئے روانہ ہوگئیں۔ سارا راستہ حاجرہ کی بے تکی باتیں سن سن کر نا چاہتے ہوئے بھی ہنستی رہی۔ بلکہ اس نے کوشش کی کہ وہ خود کو جس قدر ہوسکتا تھا نارمل رکھتی۔ یہی کوشش تھی کہ وہ حاجرہ کی باتوں پر محظوظ ہوتی رہی۔

دو بجے کے قریب وہ یونیورسٹی پہنچیں۔ اندر قدم رکھتے ہی اسے وہ سارے پل بڑی اذیت ناک یاد بن کر یاد آئے۔ ایک ایک لمحہ اسے اذیت دینے لگا۔ وہ یہاں تھی، اسکے ساتھ تھی تو ہر وقت زبان چلتی رہتی تھی اور اب جبکہ وہ دور جا بیٹھا تھا تو اسکی ہر خوشی ساتھ لے گیا تھا اور جاتے جاتے اسے دنیا کی سب سے دردناک سزا خاموشی دے گیا تھا۔

آج کا سارا کام ایڈمن آفس میں ہی تھا۔ چند پل اپنے ڈیپارٹمنٹ کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے اندر ہمت مجتمع کی اور ایڈمن کی طرف بڑھ گئی۔ آج اتفاق ہی تھا کہ مس روبینہ کے انتظار میں اسے سوکھنا نہیں پڑا۔ ورنہ فیکلٹی کی سب سے بڑی خاتون مس روبینہ تھیں۔ جب بھی ان سے کوئی کام ہوتا پہلے گھنٹوں خجل خوار ہوا جاتا اور پھر کہیں جا کر وہ ملتیں۔ اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور بڑی محبت سے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کیا۔ چونکہ وہ رشتے دار تھے تو وہ حاجرہ کو بھی جانتی تھیں۔ اسے بھی محبت سے پیار کیا۔ کافی دیر یونہی باتیں کرتی رہیں۔ حال چال کا سلسلہ شروع ہوا تو آدھا گھنٹہ یونہی گزر گیا علم ہی نہ ہوسکا۔ پھر دونوں نے وقت دیکھا آج وقت کی شدید قلت تھی۔ پیچھے سے ابراہیم پاشا کی تین کالز آچکی تھیں۔ لہٰذا دونوں ایک منٹ بھی مزید ضائع کیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہانیہ نے اپنے چیزوں کے حوالے سے مس روبینہ پوچھا تو وہ بولیں۔

"بیٹا! مجھے وہاج نے میسج کیا تھا کہ وہ خود آپ کو دے دیں گے۔ اب تو میں انکے گھر بھجوا چکی ہوں۔" روبینہ کی بات پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ ابھی تک تو اس نے اس سے کوئی رابطہ نہ کیا تھا۔ یک دم اسکے اندر رشک کی کیفیت نے سر اٹھایا۔ مس روبینہ کو میسر تھا وہ شخص جسکے لیے اس نے راتوں کو اپنے آنسو بہائے تھے۔ قسمت کی ستم ظریفی پر وہ خود ترسی سے ہنس دی۔ پھر روبینہ سے اجازت لے کر وہ باہر نکل آئی۔ حاجرہ سے اسکی یہ کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ جیسے ہی وہ باہر آئی ایک دو آنسو منہ زور ہو کر پلکوں کی باڑھ توڑ کر نیچے آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین بوس ہوتے چلے گئے۔

"ہانیہ! تم رو رہی ہو؟" حاجرہ نے بازو سے پکڑ کر اسکا رخ اپنی طرف کیا۔

"ارے نہیں یار! بس ایسے ہی۔" جتنا پلکوں کو جھپکتی کہ آنسو رک جاتے اتنا ہی ان میں

اضافہ ہوتا چلا جاتا۔حاجرہ سختی سے اسے دیکھے گئی۔

''مجھے بتاؤ ہانی! کیا بات ہے؟ تم کسی سے بھی چھپالو، لیکن مجھ سے نہیں چھپا سکتی۔بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟'' ہنوز اسے کہنی سے پکڑے وہ ذرا زور دے کر بولی۔اب ناچار وہ کیا کرتی۔ہمت ہار کر اسے بتانے کیلئے لب کھولے کہ بائیں طرف ذرا آگے بنے وہاج کے آفس سے اسکا پی اون نکلتا دکھائی دیا۔وہ الجھن سے اسے دیکھے گئی۔ہانیہ کو سامنے دیکھ کر وہ بھی عقیدت سے مسکرا دیا۔حاجرہ جو بات کے انتظار میں تھی اسکی نظر کے تعاقب میں دیکھنے لگی۔

''ایک منٹ!'' حاجرہ کو وہیں چھوڑے وہ لرزتی ٹانگوں کے ساتھ پی اون کے پاس سے گزرتے ہوئے آفس میں داخل ہوئی۔سامنے پورے رعب کے ساتھ وہ بے رحم شخص بیٹھا لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

''پرویز بخش!۔۔چائے لے آؤ۔۔'' سکرین پر انگلیاں چلاتے اس نے پی اون کو آواز دی مگر ایک انجانے احساس کے تحت جب سر اٹھایا تو سامنے وہ کھڑی تھی۔بہتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ، دگرگوں حالت لیے، وہ متغیر رنگ و صورت کے ساتھ اسکے سامنے کھڑی تھی۔کئی لمحے دونوں یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھے گئے۔حاجرہ بھی دوڑی اسکے پیچھے آفس میں داخل ہوئی۔مگر سامنے وہاج تھا۔اس نے الجھن سے ہانیہ کو دیکھا۔

''تو یہ ہے آپ کا بزنس ٹرپ؟'' بھاری اور لرزتی آواز کے ساتھ اس نے پہل کی۔انداز میں بے یقینی تھی۔

''ہانیہ!'' وہ بھی حیران ہوا۔حالات اسکے حق میں ہرگز بہتر نہ جانے والے تھے۔سارے کام وہیں چھوڑے وہ اٹھ کر اسکی طرف آیا۔

''شٹ اپ! جسٹ شٹ دی ہیل آف یور ماؤتھ۔'' بے بسی، بے یقینی، انتشار اور بے

سکوتی کا نتیجہ اسکی چیخ بن کر نکلا۔ ایسی چیخ جسے وہ پچھلے دو اڑھائی ماہ سے دباتی آ رہی تھی۔ حاجرہ نے بے اختیار باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ اسکا آفس ڈور ساؤنڈ پروف تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسکی جان سے پیاری دوست کے نام پر مزید کوئی تماشہ لگتا۔ دوسری طرف وہاج چند ثانیے چپ سا کر گیا۔

''آپ کو لگا کہ ایک بدکردار لڑکی آپ کی زندگی میں مجبوراً شامل کر دی گئی تھی۔ اس سے جان چھڑوانے کا ایک یہی حل ہے کہ اسے چھوڑ کر کہیں دور چلا جاؤں۔۔۔ اوہ سوری! بظاہر کہیں دور چلا جاؤں۔ سب پر یہی تاثر دوں کہ میں یہاں سرے سے ہوں ہی نہیں۔۔۔ یہی نا؟'' بالکل اسکے عین سامنے آ کر اسکی آنکھوں میں دیکھ کر وہ غرائی۔

''تم خاموشی سے میری بات سنو ہانی! مجھے بھی تو موقع دو'' اسکے چہرے کو ہاتھوں میں بھر کر کوشش کرنی چاہی کہ وہ پگھل جاتی مگر پچھلے دو ماہ سے رو رو کر اس نے خود کو آدھا کر لیا تھا اور موصوف اب آ کر اسے صفائیاں دینا چاہتے تھے۔

''نہیں! بالکل بھی نہیں۔ تم سننے سمجھنے کے لائق نہیں ہو وہاج ارتضیٰ! مجھے لگا تھا تم میرا ساتھ دو گے۔ دنیا مجھے جھوٹا کہتی مگر تم میری سچائی پر یقین کرو گے۔ لیکن وہ ساتھ محض وہیں تک تھا۔ تم واپس آئے لیکن پھر وہی بن کر نہیں۔۔۔ میرے لیے اپنے دل کے ہر دروازے کو بند کر کے آئے۔ مجھے بہت پہلے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ تم میرے نہیں ہو'' اسکے سینے پر انگلی سے دستک دیتے ہوئے وہ بولی۔ بلکہ اسکا تو بین تھا۔ اسے تو لگا تھا اسکی محبت سچی تھی۔ اسے اپنے شوہر سے محبت ہونے لگی تھی۔ شوہر سے محبت تو ایک طرح سے ثواب کا کام تھا نا! مگر وہ جو خود اسے چھوڑ کر جا چکا تھا وہ کیا اسکی محبت کی قدر کرتا۔

''ایسا نہیں ہے یار! میں تمہیں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں تھا بھاگا۔ جو بھی ہوا وہ میرے لیے کوئی

معمولی بات نہیں تھی۔ اسے ہضم کرنا کسی کیلئے بھی ناممکن ہوسکتا ہے۔ مگر! اس سب کے باوجود تمہیں چھوڑ دینا! امپاسبل!۔۔ کبھی میرے دل میں کوئی ایسا وہم وگمان بھی نہیں آیا۔ میں بس خود کو وقت دینا چاہتا تھا۔ خود کو اس سب سے نکالتا تو ہی تمہیں بھی نکال سکتا تھا۔ اگر یونہی رہتے تو ہم دونوں اپنی اپنی جگہ چور بن جاتے۔" اسے کندھوں سے پکڑ کر اس نے زبردستی اپنی سنائی۔ ورنہ وہ کہاں موقع دینے والی تھی۔ آج وہ حساب پورے کر کے جانا چاہتی تھی۔ وہاج کی بات پر ایک دفعہ اسکا دل نرم ہوا مگر پھر وہ اپنے آنسو یاد آئے۔

"مجھے اپنی جھوٹی تاویلیں اور من گھڑت کہانیاں نہیں سناؤ۔" اسکی آنکھوں میں دیکھ کر وہ بے خوفی سے بولی۔

"لیکن تمہیں سننی پڑیں گی، اگر تمہارے دل میں شکوہ تھا تو میں خود اسے دور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن دیکھو! اگر میں اس وقت خود کو تم سے دور نہ کرتا تو شاید کبھی بھی اس تکلیف سے نکل نہ پاتا۔" اسے نہیں تھا یاد کہ جہاں وہ کھڑا تھا اس کی کیا حیثیت تھی، اگر یاد تھا تو اپنے سامنے روٹھی ہوئی وہ محبوبہ تھی، جو اسکی حق میں تھی۔ اسکی بیوی تھی۔ اسے اسے کسی طریقے سے بھی منانا تھا۔ ابھی کل ہی وہ واپس لوٹا تھا، فیکٹری اور یونیورسٹی کے کام ختم کر کے اسکا یہی ارادہ تھا کہ وہ بالکل آرام سے اسکے پاس جاتا، اور مناتا۔ مگر یوں اچانک اسکا آجانا وہ اپنی جگہ چور سا بن گیا۔

"اپنی تکلیف کی پڑی ہے کہ نکلنا تھا۔۔ میرا کیا؟ میں بھی تو تکلیف میں تھی نا۔" وہ آج باقاعدہ اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ناراضی اور تلخی سے کہا تو وہاج کو لگا جیسے بہت بڑا میدان اس نے سر کر لیا تھا۔ بدگمانی سے ناراضی تک کا سفر تو ہو چکا تھا۔۔ اور ناراضگی تو ختم ہو ہی جاتی ہے نا۔

”تمہاری تکلیف دور کرنے کیلئے ہی تو پہلے اپنی تکلیف کو ختم کیا، اپنی غلط فہمیوں کو ختم کیا، خود ریلیکس ہوتا تو تمہیں سکون دے سکتا تھا۔کبھی بے سکون انسان بھی کسی کو سکون دے پایا ہے؟“ ہنوز اسکے کندھوں پر ہاتھ رکھے وہ بڑے ہارے ہوئے طریقے سے بولا۔

”مجھے لگا آپ کو اس دن۔۔۔“

”اس دن جو کچھ بھی ہوا، جس نے کیا، جس سے کروایا گیا۔۔سب اپنی اپنی سزا پا چکے ہیں بیگم! اب اپنی ناراضگی ختم کرو۔“ اسکے چہرے کو اپنی طرف کرتے ہوئے وہ بولا۔

ناراضگی سے اسکی طرف دیکھتی ابھی وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ دروازہ کھلا اور مس آمنہ کافی کے دو کپ لیے اندر آ گئی۔ اسکے پیچھے پیچھے حاجرہ بھی تھی۔صاف ظاہر تھا اسکے روکنے پر بھی وہ نہ رکی تھیں۔ بیچارگی سے ان دونوں کو دیکھا۔جو آمنہ کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

”ارے وہاج آپ آ گئے! بتایا ہی نہیں، مجھے اتنی فکر ہو رہی تھی۔“ بڑی میٹھاس بھرا لہجہ تھا۔ایسا لہجہ جو وہاج توقع رکھتا تھا کہ ہانیہ اسکے لیے اختیار کرتی مگر یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔دوسری طرف ہانیہ جو ماننے ہی والی تھی آمنہ کے شوگر کوٹڈ رویے پر پہلے بے یقین ہوئی پھر ایک جتاتی نظر وہاج پر ڈالی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔”دیکھو؟ اب کیا کہو گے“ وہاج کی اپنی حالت دیکھنے والی تھی۔نفی میں سر ہلا کر اسے پرسکون کرنا چاہا مگر اسکے اندر کی ہانیہ نے بڑی بری جگہ سر اٹھایا تھا۔ایک منٹ ضائع کیے بغیر وہ آگے بڑھی، مس آمنہ سے کافی کا مگ لیا۔آج قسمت واقعی ہی وہاج پر مہربان نہ تھی۔مس آمنہ کالڈ کافی لائی تھیں۔اسکی پسندیدہ۔ بڑا علم تھا نا اس کلموہی کو اسکی پسند کا۔

”دسمبر کی سردی میں الووں کی طرح کالڈ کافی پینے کا بھی اپنا مزہ ہوتا ہے۔اور اگر یہی کافی اسی موسم میں کسی پر انڈیل دی جائے تو مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ ہے نا وہاج؟“ ہاتھ میں پکڑا

مگ لے کر وہ وہاج کی طرف آئی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر الٹ دیا۔

''جھوٹے انسان!'' دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ٹھنڈی ٹھار کافی اس پر الٹادی اور کپ جا کے آمنہ کے ہاتھ میں زبردستی پکڑا دیا۔ حاجرہ جو پیچھے کھڑی ان کی رام کتھا سن رہی تھی نے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ جبکہ وہاج چند پل حیرانی سے اسے دیکھے گیا جیسے اسے سمجھ نہ آئی ہو کہ اسکے ساتھ آخر ہوا کیا تھا۔

''آئندہ سے میرے شوہر کے اردگرد دکھائی مت دیجئے گا مس آمنہ، یہ کافی۔۔'' وہ پلٹی اور انگلی کے اشارے سے وہاج کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔''یہ آپ پر بھی گر سکتی ہے۔ آپ عورت ہیں، اور میں نہیں چاہتی آپ کا تماشہ بنے۔ لیکن اپنے ذاتی رشتوں کے بارے میں، میں بڑی خودغرض ہوں۔ سمجھی آپ!'' اسکی دھاڑ پر مس آمنہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوئیں۔

''ہانیہ رکو یار۔۔ کیا چیز ہو تم۔'' وہ آنکھوں میں جلن لیے ایک آخری نظر سے اسے دیکھتی مڑی اور حاجرہ کا ہاتھ پکڑتی باہر نکل گئی۔ بے بس سا وہ اسکے پیچھے لپکا۔ لیکن پرویز بخش کی تاکید پر رک گیا۔ اب ایسی حالت میں وہ باہر جاتا تو خوامخواہ سبکی ہو جاتی۔

''لائیں میں صاف کر دیتی ہوں۔'' مس آمنہ دل کے ہاتھوں مجبور تھیں اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو کون عقل کا اندھا ایسے اپنی عزت افزائی کرواتا ہے۔ بڑی دلجمعی سے بولتی اسکی طرف بڑھی۔

''آپ مہربانی کریں اور اپنے آفس میں جائیں پلیز! مجھے اپنی جان پیاری ہے ابھی۔ آج کافی گرائی ہے کل کو گرم تیل میں ڈال دے گی۔'' وہاج اپنی حالت دیکھ کر مزید کی گنجائش ختم کرتے ہوئے بولا۔ مس آمنہ بھی اوکے کہتی واپس مڑ گئی۔ واش روم میں جا کر اپنی حالت دیکھی تو پہلے پہل بے بسی سے خود کو دیکھے گیا۔

''کیا چیز ہو یار تم!''

جیسے خود کو ریلیکس کیا تو چہرے کو ایک جاندار مسکراہٹ نے چھوا۔ یہ مسکراہٹ بڑی قیمتی تھی۔ ہاتھ سے شرٹ کو صاف کرتے ہوئے وہ بار بار اسکا عکس اپنی آنکھوں میں محسوس کر رہا تھا۔

''پاگل لڑکی!'' مسکراہٹ دبائے اس نے کہا۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تو سب نے اسکے رویے میں ایک چیز نوٹ کی۔ اسکی ہنسی لوٹ آئی تھی، ہر بات پر مسکرا دیتی، چھوٹی چھوٹی باتیں اسکے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھیر دیتیں۔ حاجرہ جو شروع میں اس سے بہت سے سوال کرنا چاہتی تھی، اسکے رویے کی بابت تفصیل سے بات کرنا چاہتی تھی اسے جیسے خاموشی سے سب باتوں کے جوابات مل گئے۔ بعض دفعہ اسے تنگ کرتی، آنکھوں ہی آنکھوں میں معنی خیزی سے اشارہ کرتی تو وہ اپنی جگہ شرما سی جاتی۔ لیکن وہ ڈھیٹ تھی۔ ڈھیٹوں کی طرح اپنی محبت کا دعویٰ کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسکا شوہر بھی اگر اسکے ساتھ کا متمنی تھا تو سب کے سامنے محض اسے لینے آتا۔ ہفتہ ہونے کو تھا۔ وہاج ہر روز اسے بلا ناغہ کالز کرتا، میسجز کرتا مگر وہ جواب نہ دیتی۔ وہ اسکے روبرو ہو کر بات کرنا چاہتی تھی۔ یہ موا فون اسے سخت زہر لگتا تھا۔ پرانا فون اچھا تھا۔ اسکے ساتھ دل لگا ہوا تھا۔ یہ منحوس فون جب سے لیا تھا کچھ بھی اچھا نہ ہو رہا تھا۔ یہ بھی ٹھیک تھا کہ جب بھی اس سے فون پر بات کی تھی نقصان ہی اٹھایا تھا اور وہ اب ایسا کوئی نقصان نہیں اٹھانا چاہتی تھی۔

صبح ہی صبح اماں نے ایک کامدار ساڑھی نکال کر اسے دی اور تیار ہونے کا کہتی خود کچن میں مصروف ہو گئیں۔ ہر بار کی طرح آج بھی اسکے میک اپ کیلئے مس حاجرہ اپائنٹ ہوئی تھی۔

جو اسے تیار کرتے ہوئے ہزار باتیں کر چکی تھی اور یہ سلسلہ ابھی مزید چل رہا تھا۔ ہلکے سبز رنگ کی سلک ساڑھی تھی۔ اسی مناسبت سے سفید پرل کا نیکلیس سیٹ تھا۔ جو کہ حجاب کے پیچھے ہی چھپا رہنا تھا مگر اس نے پہن لیا۔ ہاتھوں پر سیٹ کے ساتھ کی ہی چھوٹے چھوٹے باریک نگوں والی میٹل کی چوڑیاں پہنیں۔ جو سفید ہاتھوں پر بڑی جچ رہی تھیں۔ ایک ہاتھ پر ابا کی گفٹ کردہ واچ پہنی۔

آج اسے حجاب کی سمجھ نہ آ رہی تھی کہ ساڑھی پر حجاب کس رنگ کا لیتی، عموماً وہ سادے رنگ کے ساتھ گاڑھے رنگ کا کنٹراسٹ کرتی۔ مگر آج کنفیوز تھی۔ پھر جیسے تیسے کر کے ایک ہلکے گلابی رنگ کا سٹالر نکالا اور اسی کا حجاب کیا۔ یہ وہی حجاب تھا جو وہ وہاج کے ساتھ اسکے دوست کے نکاح پر پہن کر گئی تھی۔ وہ تیار ہوئی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ حتیٰ کہ حاجرہ بھی چند پل اسے دیکھے گئی۔

"ماننا پڑے گا یار۔ تمہاری پارلر والی کے ہاتھ میں جادو ہے جادو۔" وہ اپنا قصیدہ پڑھنے لگی۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی ساری تیاری کے باوجود وہ اٹریکٹو اپنی شخصیت کی وجہ سے لگ رہی تھی۔ ایک ٹھہراپن، نزاکت، وہ تو ہر لحاظ سے خوبصورت لگ رہی تھی، یا شاید دیکھنے والی کو لگتی۔ جو بھی تھا وہ اگر خوبصورت تھی تو اس میں اسکی شخصیت، کردار سازی، اور لب و لہجے کا بڑا ہاتھ تھا۔

صرف وہاج تھا جس کے ساتھ اس نے بیر پالا ہوا تھا۔ ورنہ اسکا اخلاق، خوش مزاجی اور ٹھہراؤ پورے خاندان میں مشہور تھا۔ وہ پڑھی لکھی تھی، اور اسکی شخصیت پر اسکی تعلیم کسی زیور کی طرح جچتی تھی۔ جو کوئی پاس بیٹھتا، اسکے انداز و اطوار اور رکھ رکھاؤ سے اسکا دلدادہ ہو جاتا۔

وہ جانتی تھی آج وہاج اور سفینہ بیگم اسکے لیے آ رہے تھے۔ ایک دعوتِ خصوصی انکے لیے

منعقد کی گئی تھی۔ مگر گھر میں دعوت ہونے کے باوجود اسکی یہ ساری تیاری کچھ خاص پلے نہ پڑ رہی تھی۔ کبھی وہ الجھن کا شکار ہو جاتی اور کبھی کہیں سے کچھ خراب ہو جاتا تو اسے ٹھیک کرنے لگتی۔ سوا دس کے قریب گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ یقیناً وہ لوگ آ چکے تھے۔ ایک پل کو اسکا دل زور سے دھڑکا پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے وہ نیچے کی طرف بڑھ گئی۔

''ارے! تم کدھر جا رہی ہو بہن؟'' اسے سیڑھیوں سے نیچے اترتا دیکھ کر حاجرہ فوراً اسکی طرف لپکی۔

''کیا مطلب؟ مہمان آئے ہیں۔ ان سے ملنے جا رہی ہوں اور کیا؟'' اسے حاجرہ کی منطق سمجھ نہ آئی۔ حیرت سے پوچھا۔

''پاگل کہیں کی! شرم نہیں آئے گی، شوہر کیلئے دلہن بنی بیٹھی ہو اور ڈھیٹوں کی طرح نیچے آ گئی ہو ملنے ملانے۔ ماموں سے شرم نہیں آئے گی تمہیں؟'' بات تو ٹھیک تھی۔ چاہے انکا نکاح ہو چکا تھا۔ لیکن ابا کے سامنے اتنا بن سنور کر جانا واقعی مناسب نہ تھا۔

''تو کیا کروں پھر؟'' معصومیت سے کہا۔

''یہ نا بہن ساری تیاری وہاج بھائی کے ساتھ ڈیٹ پر جانے کیلئے ہے نا کہ ڈھیٹوں کی طرح مہمانوں کی آؤ بھگت کرنے کیلئے۔ ماموں نے اسے دلہن بنا دیکھ لیا تو کچا چبا جائیں گے۔'' اسکے سر پر ہلکی سی چپت لگا کر وہ بولی۔ واقعی یہ بات تو اسکے ذہن میں بھی تھی۔ وہ کچھ دیر پہلے خود کو بہت آکورڈ سچویشن میں گھرا محسوس کر رہی تھی۔ مگر پھر یہ سوچ کر ریلیکس ہو گئی کہ اماں نے ہی تو اتنی ہیوی ساڑھی دی تھی۔

''تو پہلے کہتی نا۔ میں بھی کب سے یہی سوچ رہی تھی۔''

''تمہاری اپنی عقل گھاس چرنے گئی تھی؟''

"بکو مت! یہ بتاؤ اب واپس جاؤں؟"

"جی! جائیں۔ یہ احسان کریں ابھی۔"

"دفعہ ہو ذلیل کہیں کی۔"

نیچے مہمانوں کی آؤ بھگت میں حاجرہ اور ندرت بیگم پیش پیش تھیں۔ ابراہیم صاحب کے علاوہ سب ہی جانتے تھے۔ انہیں بھی وہاج یہ کہہ کر اجازت لے چکا تھا کہ اسے دوست کی شادی میں جانا تھا اور وہ ہانیہ کو ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔ قریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا واپس آ کر یونہی بیٹھے ہوئے۔ لیکن ابھی تک کوئی پیغام اس تک پہنچا ہی نہ تھا۔ مزید کچھ دیر گزری تو حاجرہ دوڑتی ہوئی اوپر آئی۔

"چلو بہن! تمہارا سندیسہ آ چکا۔ آپ کے میاں صاحب نیچے انتظار فرما رہے ہیں۔"

حاجرہ اپنے اسی انداز میں کہتی اس تک آئی۔ جبکہ ہانیہ ایک دم کنفیوز ہوتی بولی۔

"یار میں ٹھیک لگ رہی ہوں نا؟" اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پریشانی میں اس سے پوچھتی دوبارہ شیشے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ارے بہن بات سنو! اس سے زیادہ تم اچھی ہرگز نہیں لگ سکتی۔ تمہارے حسن کی آخری لمٹ یہی تک ہے۔ اب چلو نیچے۔ عشق کی پینگیں چڑھاتے تو لوگ سوچتے نہیں پھر جب کسی بیچارے کا دل توڑ کر ڈیٹ پر جائیں تو نخرے بھی پورے نہیں ہوتے۔ واہ رے خدایا! یہ گندی صورت والی لڑکی ہی کیوں؟" مصنوعی انداز میں دہائی دیتی وہ بولی۔ ہانیہ نے اسے گھورتے ہوئے ٹھوکا دیا۔

"شرم سے ڈوب مرو ذلیل لڑکی!" اسکی آنکھوں کی چمک ہی نرالی تھی۔ جھڑکا بھی تو ادا سے۔

”ہاں بس باقی سب ہی ذلیل ہیں! تم ہی نیک پروین تشریف فرما ہو دنیا میں۔“ ہانیہ کو گھورتے ہوئے وہ بولی اور رکھ کے مکا اسکی کمر پر دے مارا۔

”ہائے ذلیل!“ اب وہاں ہاتھ کی پہنچ نہ تھی۔ کبھی کندھے سے اور کبھی کمر سے ملتی وہ اسے کوسنے لگی۔ جبکہ حاجرہ جب تک نیچے جا چکی تھی۔ وہ نیچے آئی تو وہاج کو اپنا منتظر پایا۔ ابراہیم پاشا سے اجازت لے کر وہ آچکا تھا۔ جب اس نے انکے پاس جانے کا کہا تو فوراً بولا۔

”خدارا کیوں میری پہلی ڈیٹ سپائل کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اگر انہوں نے ایسے دیکھ لیا تو دونوں کی کلاس لگ جائے گی۔ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھو۔“ اسکا ہاتھ پکڑ کر روکتے ہوئے اسے گاڑی کے پاس لے آیا۔

”میں اتنی بھی بری نہیں لگ رہی کہ وہ مجھے دیکھ کر ڈر جائیں۔“ ہانیہ نے برا سا منہ بنایا۔

”ہاں! لیکن اتنی اچھی بھی نہیں لگ رہی۔“ اسے ستانے کی غرض سے بولا۔

”سچی؟ میں اچھی نہیں لگ رہی؟ اتنی محنت سے میک اَپ کیا تھا۔“ وہ وہیں رک گئی۔ پیچھے کھڑی حاجرہ نے اپنا سر پیٹا۔ کیسی آدھے دماغ والی خاتون تھی وہ۔

”یار! پہلے گاڑی میں بیٹھو! پھر بتاتا ہوں۔“

اسے ہاتھ سے پکڑ کر زبردستی گاڑی کی طرف لے جاتے ہوئے وہ بولا اور مزید کسی منٹ کو ضائع کیے بغیر فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا اور تاکیدی نظروں سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”بیٹھ رہی ہوں۔ صبر کریں۔“ منہ بنا کر وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

وقت ہر تکلیف کا سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ بڑی سے بڑی تکلیف بھی کیوں نہ آجائے یہ وقت ہی ہوتا ہے جو صبر بھی سکھا دیتا ہے اور صبر کرنا بھی۔ واقعی جو اسکے ساتھ جو ہوا کہیں سے

بھی قابلِ قبول نہ تھا۔ ایک عرصہ اسے جاننے والوں کے پیغامات بمع کالز اور میسجز موصول ہوتے رہے۔ جہاں بلواسطہ یا بلاواسطہ اسے ہانیہ کو چھوڑنے کی تاکید کی جاتی۔ بعض دفعہ تو اسے یوں معلوم ہوتا کہ لوگ ہتھیلی پر رشتہ لیے پھرتے تھے۔ جیسے ہی سمجھتے کہ وہ انکی باتوں میں آ رہا ہوتا فوراً بقول انکے ہانیہ سے اچھا رشتہ دکھاتے اور وہ بس انہیں دیکھ کر رہ جاتا۔ اس سارے عرصے میں اگر کسی نے مخلص ہو کر مشورہ دیا تو وہ زین اور اسکی بہن زوہا تھے۔ ایک دن بات ہی بات میں زین نے کہا۔

''یار! دنیا جو بھی کہے۔ تم وہ کرو جو تمہارا دل کہتا ہے۔ میں نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ کوئی بھی بدکردار لڑکی اتنی صاف گو، نڈر اور پاکیزہ نہیں ہوتی۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اگر لوگوں کی باتوں میں آ کر تم نے بھابی کو چھوڑا تو یہ تمہاری زندگی کا سب سے بڑا خسارہ ہوگا۔''

وہ ویسے بھی لوگوں کی باتوں پر کان دھرنے والا شخص ہی نہ تھا۔ مگر جب ایک مخلص دوست کا مشورہ بھی ہانیہ کے حق میں ہوتا دیکھا تو وہ اپنے ارادوں میں اٹل ہو گیا۔ اب چاہے کچھ بھی ہو جاتا وہ اسے چھوڑنے والا ہرگز نہ تھا۔ زین کی بات یاد آتے اس نے اپنے ساتھ بیٹھی اس لڑکی کو دیکھا تو ایک دفعہ خود پر فخر سا محسوس کیا اور شکر کیا کہ وہ باتوں میں آنے والا شخص نہ تھا۔

وہ دونوں اس وقت ہیلی پیڈ پر موجود تھے۔ وہاج کے دوست کا واقعی آج ولیمہ تھا۔ جس کی رسم ہیڈ مرالہ میں منعقد کی گئی تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر وہ اسی طرف آ گئے۔ ریت پر چلتے ہوئے وہ تھوڑا آگے نکل گئی۔ وہاج مسکراہٹ چہرے پر سجائے رک گیا اور مسلسل اسے دیکھے گیا۔ کسی احساس کے تحت جب وہ مڑی تو حیران رہ گئی۔

''کیا ہوا؟ رک کیوں گئے؟'' وہیں کھڑے وہ بولی۔ جبکہ وہاج نفی میں سر ہلا کر اسکے پاس گیا اور ہاتھ پکڑ کر اب خود بھی اسکے ساتھ چلنے لگا۔ دسمبر کی سردی میں ٹھنڈی ریت پر

قدم رکھتے ایک پل کو چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''آپ واقعی مس آمنہ میں انٹرسٹڈ تھے؟'' نجانے اسے کیا سوجھی کہ بول اٹھی۔ یا شاید کچھ بولنے کو نہ ملا تو یہی بول دیا۔ بھئی کام کی بات تھی۔ کل کو سوتن تو اسے بھی برداشت نہ تھی۔ وہاج نے گھور کر اسے دیکھا۔ سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی تھی۔

''نہیں بھئی! میں نہیں تھا انٹرسٹڈ، نہ کبھی ہونگا۔ پسند ہو جانا کوئی بری بات نہیں۔ مگر اپنی پسند کو اس طرح حاصل کرنا برا ہوتا ہے اور میں تو بالکل بھی کسی کی پسند کے قابل نہیں۔'' بات کے آخر میں مسکراہٹ دبا کر اس نے جیسے افسوس سے کہا۔ ہانیہ ایک دم رکی۔

''ارے! یہ کس نے کہہ دیا آپ کو؟ کیوں کوئی نہیں پسند کرے گا آپ کو؟'' وہ بات کی گہرائی جانے بغیر بولی۔

''اچھا! تم پسند کرو گی؟'' ہنوز مسکراہٹ دبائے وہ بولا تو ہانیہ بلش ہوئے بغیر فوراً بولی۔

''ہاں! ارے مجھے تو آپ اچھے خاصے لگتے ہیں۔ پیارے بھی ہیں، ہینڈسم بھی۔ اور مجھے تو آپ ہی اچھے لگتے ہو۔'' وہ روانی میں بولے گئی۔

''مگر میں تو شوہر ہوں نا تمہارا! اور مشرقی لڑکیاں تو اپنے شوہر سے ہی محبت کرتی ہیں۔'' وہ اداکاری کر رہا تھا۔ آنکھوں میں چمک لیے اسے دیکھے گیا۔

''بات سنیں میری! مشرقی لڑکیاں اتنی دقیانوس نہیں ہوتیں، بعض اوقات حالات انہیں اس نہج پر لے آتے ہیں کہ وہ اپنے لیے سٹینڈ نہیں لے سکتیں۔ لیکن انسانوں کی پہچان ہوتی ہے ہمیں۔ ہر جگہ مشرقی پونا نہ گھسیٹا کریں۔'' اسے برا لگا تھا مشرقی لڑکی کا دقیانوسی عکس، جو لوگوں نے بنا رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ برملا کہتی تھی کہ لوگوں نے ایک جھوٹا خاکہ بنا دیا تھا مشرقی لڑکیوں کا کہ اگر وہ ان سے نکلنا بھی چاہیں تو زمانے کی نظریں ہی ان پر ایسی ٹکی ہوتی ہیں کہ وہ

قدم بڑھا ہی نہیں سکتیں۔

''یار! ہر بات پر جھگڑنا ضروری ہے؟''

''ہاں تو کس نے کہا ہے ایسی بات کرنے کو؟''

''تم کیا چیز ہو یار! میری ڈیٹ سپائل مت کرو، موڈ سیدھا کروا پنا۔'' اسکا حکم دیتا لہجہ دیکھ کر وہ وہیں رک گئی۔

''چولہے میں جھونکے ایسی ڈیٹ کو۔ میں نے نہیں منانی کوئی ڈیٹ شیٹ!'' ایک تو ساڑھی نہ سنبھالی جا رہی تھی اوپر سے شوہر کے سوتنوں والے طعنے۔ اسے غصہ ہی آ گیا۔

''اچھا سوری یار۔ آجاؤ نہیں کرتا کچھ!'' اسکا ہاتھ دوبارہ پکڑ کر وہ بولا۔ پھر کچھ یاد آنے پر رک گیا۔

''میرے پاس کچھ چیزیں ہیں تمہاری۔'' مسکراہٹ دبائے وہ اپنی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ ہانیہ بھی رک کر اسے دلچسپی سے دیکھے گئی۔ وہ اسکی مسکراہٹ پر ہی تو مرتی تھی۔ دل موہ لینے کی حد تک وہ ہینڈسم لگ رہا تھا، ہانیہ بے اختیار اسے دیکھے گئی۔

''یہ آپ کے پاس تھا؟'' اپنی جیب سے موبائل نکال کر اسکے سامنے کیا تو وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ وہ تو سمجھ چکی تھی کہ اسکا موبائل گم ہو چکا تھا۔ اب وہاج کے ہاتھ میں دیکھا تو حیران رہ گئی۔

''یہ جس دن تم نیک ارادوں کے ساتھ میرے کمرے میں آئی تھی اس دن رہ گیا تھا۔'' وہاج اسکے چمکتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو! مجھے لگا شاید یہ گم ہو چکا ہے۔ میں نے تو نیا بھی لے لیا تھا۔'' ہاتھ میں پکڑ کر وہ بولی۔ جبکہ وہاج اسے دیکھے گیا۔

ہانیہ نے چہرہ اٹھایا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اسے سمجھ نہ آئی کیا کرتی کنفیوژن میں مڑی اور آہستہ روی سے چلنے لگی۔ وہ بھی سر کو کھجا کر ہنس دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑا، اور قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

ہانیہ خاموشی سے چلتے قدم دیکھتی رہی اور وہ اسے! کئی قدم اٹھانے کے بعد، جب انکے وجود سورج کی کرنوں میں سیاہ دکھائی دینے لگے، بڑی آہستگی سے اس نے اپنا بازو اسکے گرد حمائل کر لیا، دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، وہاج بڑی دلکشی سے مسکرا دیا، جبکہ ہانیہ نے سر جھکا کر، اپنے کندھے پر رکھے اسکے ہاتھ کو محبت سے پکڑ لیا۔

وہ دونوں اہل اعتبار تھے، اہل وفا۔

وفا اور اعتبار سے شروع ہونے والے رشتے کو لے کر چلنے والے۔ جن کے درمیان محبت سے پہلے اعتبار اور وفا جیسے جذبات امڈے تھے۔ اعتبار اور وفا کے اس ملاپ نے ان دونوں کے درمیان عشق و محبت کا جو رشتہ پیدا کیا وہ دل موہ لینے والا تھا۔

۞ ......ختم شد...... ۞

http://sohnidigest.com